

# آج کی آیت

مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت  
شائع کردہ  
تنظیم اسلامی

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800

فون: (042)35473375-78

ای میل: [markaz@tanzeem.org](mailto:markaz@tanzeem.org) ویب سائٹ: [www.tanzeem.org](http://www.tanzeem.org)

## فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	درس نمبر
3	پیش لفظ	
4	آیت 183	01 سورة البقرة:
7	آیت نمبر 185	02 سورة البقرة:
10	آیت نمبر 1	03 سورة العلق:
13	آیت نمبر 1	04 الحجرات:
16	آیت نمبر 208	05 سورة البقرة:
19	آیت نمبر 77	06 سورة الحج:
22	آیت نمبر 185	07 سورة آل عمران:
25	آیت نمبر 90	08 سورة النحل:
28	آیت نمبر 186	09 سورة البقرة:
32	آیت نمبر 261	10 سورة البقرة:
35	آیت نمبر 24	11 سورة التوبة:
39	آیت نمبر 2	12 سورة الحجرات:
42	آیت نمبر 110	13 سورة آل عمران:
46	آیت نمبر 13	14 سورة الحجرات:
50	آیت نمبر 30	15 سورة الفرقان:
53	آیت نمبر 19	16 سورة النور:
56	آیت نمبر 51	17 سورة المؤمنون:

صفحة نمبر	عنوان	درس نمبر
59	سورة التحريم: آيت نمبر 6	18
63	سورة الاحزاب: آيت نمبر 21	19
66	سورة الحجرات: آيت نمبر 11	20
70	سورة العنكبوت: آيت نمبر 69	21
74	سورة حم سجده: آيت نمبر 33	22
78	سورة التوبة: آيت نمبر 112	23
83	سورة التوبة: آيت نمبر 119	24
87	سورة الصف: آيت نمبر 9	25
91	سورة الحج: آيت نمبر 41	26
96	سورة محمد صلى الله عليه وسلم: آيت نمبر 7	27
100	سورة طه: آيت نمبر 82	28
104	سورة البقرة: آيت نمبر 286	29

## پیش لفظ

امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 2021ء بمطابق ۱۴۴۲ھ میں " آج کی آیت " کے عنوان سے روزانہ پانچ سے آٹھ منٹ تک کے دروس ریکارڈ کروائے تھے جو انجمن خدام القرآن سندھ کے یوٹیوب چینل Quran Channel پر اپ لوڈ کیے گئے۔ یہ پروگرام یکم تا 29 رمضان المبارک تک جاری رہا۔ ان لیکچرز میں قرآن مجید سے مختلف جگہوں سے اس طرح آیات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کا ایک مکمل اور مربوط نقشہ سامنے آجائے۔ ان دروس کی افادیت کے پیش نظر ان کو ویڈیوز سے اتار کر تحریری طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے ایسے حضرات جو ویڈیوز سے استفادہ نہیں کر سکتے، وہ بھی ان دروس سے مستفید ہو سکیں۔ رفقائے تنظیم اسلامی سے گزارش ہے کہ وہ روزانہ کی بنیاد پر ایک درس کا مطالعہ کریں، اس آیت کو زبانی یاد کریں اور خود بھی اس کے مضامین کو حرزِ جان بنائیں۔ اپنے گھر والوں، دوست اور احباب کو بھی پڑھ کر یا زبانی اس کے مضامین کی تذکیر کریں۔ ان آیات میں بیان کردہ ہدایات پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں۔ اس طرح آپ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ان مضامین سے فائدہ پہنچانے کا باعث بنیں گے۔ ان شاء اللہ اگر ایک ماہ اسی طرح ان دروس سے استفادہ کیا گیا تو رفقائے تنظیم نہ صرف بہت اچھے داعی بن جائیں گے بلکہ تنظیم اسلامی میں دعوتِ دین کی ایک عمومی کمی بھی دور ہوگی۔ دوسری طرف ان شاء اللہ خود ہماری آخرت بھی سنور جائے گی جو کہ ہمارا اصل نصب العین ہے۔ مزید برآں اپنی دعاؤں میں اپنے گھرانے اور اپنے والدین کے ساتھ ساتھ امیر تنظیم اسلامی سمیت ان تمام رفقائے کو بھی یاد رکھیں جنہوں نے ان دروس کو ویڈیوز اور تحریری شکل میں آپ تک پہنچانے میں محنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت

# درس نمبر 01

(سورة البقرة: آیت 183)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔“

آج کی منتخب آیت کریمہ سورة البقرہ کی آیت نمبر 183 ہے۔ اللہ رب العالمین نے اس مقام پر ارشاد فرمایا! (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔“ پہلی بات ایمان والوں سے خطاب ہے۔ (اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) کو ماننا ضروری ہے اور اللہ رب العالمین کی ماننا بھی ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب کر کے بہت سارے احکامات عطا فرماتا ہے۔ یہاں حکم ہوا کہ تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ ایک تسلی دی جا رہی ہے کہ روزے کی عبادت مشقت والی تو ہے مگر یہ مشقت تمہارے لئے ہی نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ صیام کا لفظ، صوم کے لفظ سے بنا ہے۔ عرب اپنے گھوڑوں کو استعمال کرتے تھے کہیں لوٹ مار کرنے کے لئے اور کبھی جنگوں کے موقع پر۔ اور ان کی قوت برداشت (Stamina) بڑھانے کے لئے ان کو بھوکا پیاسا رکھتے، تیز آندھی چلتی تو ان کے منہ کو پکڑ کر آندھی کے رخ پر کر دیتے تا کہ وہ ان تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے قابل ہوں۔ اس سے ان کی قوت مدافعت بڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ (صَوْمَ الْفَرَسِ گھوڑے نے روزہ رکھا ہوا ہے)۔ مجبوراً یہ

ترجمہ کرنا پڑ رہا ہے۔ عرب یہ جو صوم کا لفظ اُن گھوڑوں کے لیے استعمال کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہی لفظ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی روحانی طور پر مضبوط (Strengthen) کرنا چاہتا ہے تاکہ ہماری روحانی ترقی ہو جائے۔ ہم جسم کی بجائے روح کی طرف توجہ کرنے والے ہو جائیں۔ ماہ رمضان میں سرکش شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے روزے کی فرضیت عطا کی جا رہی ہے۔ میری مرضی نہیں چلے گی بلکہ اللہ کی مرضی چلے گی۔ جب وہ کہہ دے کھانا پینا چھوڑ دو تو چھوڑ دیں گے۔ جب کہے کھانا پینا شروع کر دو تو روزہ افطار کر لیں گے۔ میری نہیں رب کی مرضی چلے گی۔ اس صوم (روزے) کا ایک بہت بڑا حاصل یہ ہے کہ ہمارا (Stamina) بڑھے، ہماری طاقت بڑھے، ہماری روحانی ترقی ہو سکے اور آیت کریمہ کے آخر میں روزہ کا مقصد بیان فرمایا ”تاکہ تم متقی بن جاؤ“۔ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اللہ کا خوف اور ڈر، کس بات کا ڈر؟ کہ وہ ناراض نہ ہو جائے، وہ ناراض کس سے ہوتا ہے جو اس کی نافرمانی کرنے لگتا ہے تو تقویٰ کا ایک اور معنی و مفہوم اور ترجمہ یہ بھی ہے کہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا۔ روزہ کیا کرتا ہے یہ کہ حلال بھی چھڑوا دیتا ہے، کھانا پینا یہاں تک کہ زوجین کا تعلق بھی چھوڑ دیا جاتا ہے تو اللہ چاہتا ہے کہ ہم کم از کم حرام کو چھوڑنے والے بن جائیں۔ روزہ صرف بھوک اور پیاس کا نام نہیں ہے پورے وجود کا روزہ ہے۔ جیسے حلال کو چھوڑ رہے ہو ویسے حرام کو بھی چھوڑنے والے بن جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صوم یعنی روزہ میں بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات پر عمل کرنا ترک نہیں کیا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اب پورے وجود کا روزہ ہے۔ آنکھ ہو، کان ہو، زبان ہو یا دل و دماغ، ہاتھ اور پاؤں، گویا تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگا دینا ہے یہ ہے روزہ کا ایک بہت بڑا حاصل، ہماری روحانی ترقی ہو، روحانی طور پر ہم مضبوط ہوں، نفس کی شرارتوں سے اپنے آپ کو بچانے کے قابل ہوں، شیطان کے حملوں سے

اپنے آپ کو بچانے کے قابل ہوں اور ہم میں تقویٰ پیدا ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائے۔ جہاں ربِّ کائنات نے روزے کی فرضیت کا ذکر کیا وہیں اس کا حاصل بھی بتا دیا ”تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے“۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ماہ رمضان کے روزے پورے ذوق و شوق سے رکھنے اور ان روزوں کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حلال چھوڑ رہے ہیں تو حرام کو چھوڑنے والا بھی بنادے اور اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں میں ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 02

(سورة البقرة: آیت نمبر 185)

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ  
مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ  
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ  
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ  
عَلَى مَا هَدَيْتُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

ترجمہ: ”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ۔ تو جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے (یا جو شخص بھی اس مہینے میں مقیم ہو) اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔ تاکہ تم تعداد پوری کرو اور تاکہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر جو ہدایت اُس نے تمہیں بخشی ہے اور تاکہ تم شکر کر سکو۔“

سورة البقرہ آیت نمبر 185 میں رمضان کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزے کے حوالے سے کچھ آسانیاں بھی عطا فرمائی ہیں یہاں ان کا بیان ہے اور اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ نے قرآن کی صورت میں جو عظیم نعمت تمہیں عطا فرمائی اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ سورة البقرہ آیت 185 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! ”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل کیا گیا“ سارے مہینے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی وجہ سے رمضان المبارک سب سے افضل مہینہ ہے۔

یہ قرآن حکیم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں ہدایت کی روشن دلیلیں بھی ہیں اور یہ حق و باطل میں فرق کر دینے والا کلام بھی ہے۔ قرآن حکیم سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ البتہ یہ ہدایت ملے گی ان لوگوں کو جن میں تقویٰ ہوگا۔ جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 2 میں آتا ہے (هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ) ”متقین کے لئے ہدایت ہے“ اس قرآن میں ہدایت کی روشن دلیلیں ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے راہنمائی ہے۔ انفرادی زندگی کے لئے بھی اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی۔ یہ الفرقان ہے، حق و باطل میں فرق کر دینے والا کلام ہے۔ اگر آج ہم کسی شبہ میں مبتلا ہیں یا اگر شرور ہم پر حملہ آور ہیں تو کیا معیار ہے کہ صحیح اور غلط میں فرق کر سکیں؟ وہ معیار حق خود قرآن حکیم فرقان حمید ہے۔ پھر روزے کی فرضیت کا بیان بھی آ گیا کہ ”پس جو کوئی بھی اس رمضان المبارک کا مہینہ پائے اس پر لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے۔“

حدیث میں آتا ہے کہ ”جس نے جان بوجھ کر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا اب وہ پوری زندگی بھی روزے رکھتا رہے اس کا ازالہ ممکن نہیں“ (مسند احمد)۔ البتہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کچھ رعایتیں بھی عطا ہوئی ہیں۔

”اور جو کوئی بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو تو وہ بعد کے دنوں میں گنتی پوری کرے“ بیماری ایسی کہ روزہ رکھنا ممکن نہیں یا سفر درپیش ہو گیا کہ روزہ رکھنا ممکن نہیں یا یوں کہیے کہ خواتین کے مخصوص ایام کا معاملہ ہے تو شریعت میں گنجائش ہے کہ ابھی روزہ نہ رکھا جائے اور بعد میں قضا کر لیا جائے۔ اللہ پاک اپنے بندوں پر آسانی فرمانا چاہتا ہے اور مشکل فرمانا نہیں چاہتا۔ سال بھر کے روزے فرض نہیں بلکہ صرف ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے۔ اس میں بھی یہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے اور اس میں بھی سفر اور بیماری وغیرہ کی صورتحال میں مزید آسانیاں عطا فرمائی گئیں ہیں ”تا کہ تم رمضان المبارک کے روزوں کی گنتی پوری کر لو“ اور یہ روزے کیوں رکھوائے جا رہے ہیں؟ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اللہ نے تمہیں ہدایت عطا

فرمائی۔ یہ گنتی پوری کرائی جا رہی ہے، قرآن جیسی عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے لیے روزے رکھوائے جا رہے ہیں تاکہ جو کچھ اللہ پاک کی طرف سے عطا ہوا ہے اس کی قدر ہو اور شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں۔ ایک تکبیر تو وہ ہے جو ہم زبان سے کہتے ہیں اللہ اکبر! اور ایک تکبیر عملاً ہے، انفرادی معاملات میں بھی اور اجتماعی معاملات میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل بھی ہو رہا ہو اور ان کا معاشرے میں ان کا نفاذ بھی ہو رہا ہو۔ اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 03

(سورة العلق: آیت نمبر 1)

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾

ترجمہ: ”اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا فرمایا۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ سورة العلق کی پہلی آیت ہے۔ ربِّ کائنات کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ سورة العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں ان میں سے پہلی آیت کا آج ہم مختصر مطالعہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا سورة العلق کی پہلی آیت میں کہ ”پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا“ اس آیت کریمہ میں پہلا لفظ ”اقْرَأْ“ ہے۔ اس آیت کریمہ کے بعد اگلی آیات میں بھی ایک اور مرتبہ ”اقْرَأْ“ کا لفظ آتا ہے۔ ”عَلَّمَ“ کا لفظ پڑھنے پڑھانے کیلئے بھی آتا ہے اور قلم کا لفظ بھی۔ تو پہلی وحی میں ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے علم کی اہمیت پر زور دیا۔

البتہ آج جو علوم و فنون ہم حاصل کرتے ہیں اکثر و بیشتر اسکول میں، کالج میں، یونیورسٹیز میں، تجربات کیسے جاتے ہیں، ریسرچ کی جاتی ہے یہ سب بجائے لیکن بنیادی طور پر اللہ رب العالمین نے دو قسم کے علم عطا فرمائے ہیں ایک کو علم الاسماء کہتے ہیں، سورة البقرہ آیت نمبر 31 کے مطابق جو آدم علیہ السلام کو عطا ہوا۔ زمین کے وسائل وغیرہ کا علم تاکہ خلافت کا نظام زمین پر قائم کرنے میں آسانی ہو۔ لہذا آدم علیہ السلام کو یہ علم خلافت دے کر زمین پر بھیجا گیا تھا۔ اور دوسرا علم ہے علم ہدایت یا علم الوحی، سورة البقرہ ہی کی آیت نمبر 38 میں حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے فرما دیا گیا کہ اے لوگو! جب بھی تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی بھی ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ اسے کوئی غم

ہوگا اور نہ اسے کوئی خوف ہوگا۔

ایک طرف تو ہیں فزیکل سائنسز اور زمین کے علوم، ان کو دریافت کرنا وغیرہ۔ اور دوسری طرف ہے علم ہدایت جو وحی کے ذریعے عطا ہوتا ہے۔ آج ایک آنکھ لوگوں کی بہت کھلی ہوئی ہے بلکہ بہت زیادہ کھل چکی ہے ہم دنیا کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرتخ پر جا کر وہاں کی مٹی کی خصوصیات پر ہم اربوں ڈالرز لگائیں گے لیکن دوسری آنکھ جو وحی الہی والی ہے وہ بالکل بند ہو چکی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دن ہی اس کی تفصیل ہمیں عطا فرمائی تھی کہ ”پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ“ رب کا نام علوم و فنون میں سے بھی نکل گیا اور رب کا نام پوری دنیا کے تعلیمی اداروں سے بھی باہر نکل گیا۔ وحی الہی کے تابع رہ کر معاملات کو چلانا ہم بھول گئے۔ نتیجہ کیا ہے؟ سو برس پہلے جو ٹیکنالوجی تھی اور آج سو برس بعد جو ٹیکنالوجی ہے کوئی موازنہ اس میں ممکن نہیں مگر سو برس پہلے زندگی کی پیچیدگیاں کم تھی آج زندگی کی پیچیدگیاں بہت زیادہ ہو گئیں سو برس پہلے مسائل کی شدت تھی مگر کم تھی آج شدت بہت بڑھ گئی ہے۔ تو آج ایک آنکھ جو کھلی ہوئی ہے اس میں خوب آگے سے آگے بڑھ رہے ہیں اگر وہی علم کی معراج تھی تو مسائل تو کم ہونے چاہئیں تھے۔ ٹیکنالوجی تو بہت ترقی کر گئی مگر آج سبھی لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ کیسی ٹیکنالوجی ہے کہ قریب کے لوگ بہت دور ہو گئے اور دور کے لوگ بظاہر بہت قریب ہو گئے۔ بعض ممالک اتنے ایٹم بم بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ دنیا دس بیس پچیس پچاس مرتبہ تباہ ہو جائے۔

جب تک علم، علم وحی کے تابع نہ ہو؟ جب تک علوم و فنون علم وحی کے تابع نہ ہو جائیں؟ تب تک انسانیت کو خیر میسر نہیں آسکتی ہے اسی لیے فرمایا گیا کہ ”پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا“۔ علوم اور فنون جب وحی کے تابع ہوں گے تب ہی خیر انسانیت کو میسر آئے گی ورنہ آپ غور فرمائیے دنیا ہو یا پاکستان، چند بڑے بڑے جو فراڈ ہوئے ہیں ان کی تفصیل نکال لیجیے، یہ کسی جاہل نے نہیں کیے بلکہ پڑھے لکھے لوگوں

نے کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ پڑھائی لکھائی تو خوب ہو گئی مگر علمِ وحی والی آنکھ اگر بند ہے تو انسانیت کو سکون میسر نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج زندگی میں مسائل کی شدت اور پیچیدگیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم علوم و فنون بھی سیکھیں مگر ساتھ ہی ساتھ رب کی وحی کا علم بھی حاصل کیا جائے یعنی قرآن حکیم کا سمجھنا، قرآن حکیم کا ترجمہ، قرآن حکیم کی تشریح۔ میں بنیادی علم دین کی بات کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ بھی کرنا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کی بھی ترغیب دلائی ہے اور ہمیں تعلیم دی ہے کہ (طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ) (ابن ماجہ) ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ یعنی دین کا بنیادی علم، کتاب و سنت کا بنیادی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ جو جو معاملات ہم سے متعلق ہوتے چلے جائیں ان کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔

ہم حساب پڑھ رہے ہیں، انگلش پڑھ رہے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے بہترین ٹیکنالوجی استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ کا کلام اور اس کے نبی ﷺ کی تعلیمات ہمیں سمجھ نہ آئیں اور انہیں سمجھنے کی ہم سرے سے کوئی کوشش ہی نہ کریں تو کل قیامت والے دن اللہ کے ہاں کیا جواب دیں گے۔ لہذا اس طرف خصوصی توجہ کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 04

(الحجرات: آیت نمبر 1)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا

اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان مت آگے بڑھو اللہ اور اُس کے رسول سے اور اللہ کا تقویٰ

اختیار کرو۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ قرآن حکیم

کے چھبیسویں پارے میں سورۃ الحجرات کی پہلی آیت مبارکہ ہے۔ اللہ رب العالمین نے

اس مقام پر ارشاد فرمایا ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ

سبحانہ و تعالیٰ خوب سننے اور خوب علم رکھنے والا ہے“ ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے

اور فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو۔ کس

معاملے میں آگے نہ بڑھو؟ اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی وجہ میں

بیان فرمایا ”زندگی کے تمام امور اور معاملات میں اپنے آپ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود کے اندر رکھو اور اپنے معاملات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے تابع کر دو۔“

ایک چلن چل پڑا ہے ہمارے ہاں، میری مرضی، میری مرضی، میری مرضی۔ بندہ

مؤمن سے مطالبہ ہے تیری مرضی نہیں تیرے رب کی مرضی، تیری مرضی نہیں تیرے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی، یہ ہے ایک مؤمنانہ طرز عمل کہ بندہ اپنے انفرادی

معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھے۔ اور ہم

اجتماعی معاملاتِ زندگی میں بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں۔

یہ جو آج ہمارا تصور ہے کہ کلمہ پڑھ کر اور نمازیں ادا کر کے مطمئن ہو جاؤ، یہ جو آج ہمارا تصور بن چکا کہ روزوں کا اہتمام کر لیا تو بس کافی ہے، یقیناً یہ بھی بہت بڑے بڑے تقاضے ہیں بہت بڑے بڑے فرائض ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر اس کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھنا، اپنے آپ کو خوش اور مطمئن رکھنا اور آزادی کے نعرے لگانا، میری مرضی کے نعرے لگانا، یہ مؤمنانہ طرز عمل نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت یہ بتا رہی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

حکومت پاکستان کے پاس آج بھی جو آئین موجود ہے اس میں خوش قسمتی سے لکھا ہوا ہے اس ملک میں حاکمیت اعلیٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے، ہم وہ نعرے نہیں لگا سکتے جو امریکا میں لگائے جاتے ہیں اور ابراہیم لنکن کے بھی الفاظ ہیں وہ کہتا ہے کہ

(Govt. of the people, by the people, for the people)

عوام کی حکمرانی، عوام کے ذریعے کریں گے، عوام کے لیے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ نہیں نہیں! حاکم تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کے آئین میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوگی۔ یہ جملہ اسی آیت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ اس آیت کریمہ پر عمل بھی ہو۔

ہمارے معیشت کے معاملات ہوں یا معاشرت کے، عدالت کے ہوں یا سیاست کے، یا پھر ریاست کے، کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تم کب اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی طرف آؤ گے؟ جب تمہارے دل میں خوفِ خدا ہوگا، کل کی جو ابد ہی کا احساس ہوگا اور آخرت کی تمہیں فکر ہوگی۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب سننے والا، خوب علم رکھنے والا ہے۔ یہ ہے وہ تقاضا جس کا زندگی بھر کرنے کا ہم سے مطالبہ ہے۔ انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر

اپنے معاملات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع رکھو۔ جو حدود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین فرمادیں ان کے اندر رہ کر زندگی گزارو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے آپ کو اور ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔  
آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 05

(سورة البقرة: آیت نمبر 208)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا  
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تو یقیناً تمہارا بڑا کھلا دشمن ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا ہم نے انتخاب کیا ہے یہ سورة البقرہ کی آیت نمبر 208 ہے۔ ربِّ کائنات نے اس مقام پر ارشاد فرمایا! ”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ ربِّ کائنات ایمان والوں سے خطاب فرما رہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اللہ ربُّ العالمین نے یہ دین، دین کامل کے طور پر میرے اور آپ کے لیے عطا فرمایا، اس دین کو مکمل فرما دیا۔ زندگی کے تمام گوشوں کے لیے دین اسلام راہنمائی عطا فرماتا ہے۔

ایک انگریزی کا لفظ ہے (Religion) جو دنیا کے مختلف مذاہب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ مذہب (Religion) کا تصور محض انفرادی زندگی کے چند معاملات تک محدود ہے۔ جبکہ دین جو عربی زبان کا لفظ ہے قرآن حکیم نے اس کو استعمال فرمایا ہے۔ جس کا مطلب ہے ضابطہ حیات (System of Life) تو اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اسلام فقط زندگی کے چند انفرادی معاملات ہی کے لیے راہنمائی عطا نہیں کرتا بلکہ زندگی کے تمام گوشوں کے لیے اور اجتماعی معاملات کے لیے بھی کامل راہنمائی عطا

فرماتا ہے۔

دین اسلام ایمانیات بھی سکھاتا ہے، دین اسلام عبادات بھی سکھاتا ہے، دین اسلام اخلاقیات اور معاملات کے لیے بھی راہنمائی عطا کرتا ہے، دین اسلام حقوق العباد کی بات بھی کرتا ہے، دین اسلام حقوق اللہ کی بات بھی کرتا ہے، دین اسلام نکاح اور گھر گرہستی کے معاملات کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے، دین اسلام خوشی اور غمی کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور یہ دین اسلام معیشت کے لیے، معاشرت کے لیے، عدالت کے لیے، ریاست کے لیے اور بین الاقوامی امور کے لیے الغرض زندگی کے تمام گوشوں کے لیے بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

البتہ یہ راہنمائی فقط اس لیے عطا نہیں کی گئی کہ اس کو پڑھ لیا جائے، سمجھ لیا جائے، لکھ لیا جائے، چھاپ دیا جائے، بیان کر لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دین اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ جس کے لیے انفرادی زندگی کے معاملات میں تو فوری عمل کرنا ضروری ہے۔ نماز کا حکم ہے، زکوٰۃ کا حکم ہے، ماں باپ کا ادب کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا وغیرہ پر تو فوری عمل کا تقاضا ہے۔ اسی طرح جھوٹ سے، غیبت سے فوری طور پر آدمی اپنے آپ کو بچائے۔ لیکن زندگی کے اجتماعی معاملات میں سے منکرات کو ختم کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے مثلاً سود کا دھندہ اور سودی نظام ختم ہونا چاہیے، بے حیائی کا طوفان ختم ہونا چاہیے، عدالت میں فیصلے بندوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق نہیں، انگریز کے کالے قوانین کے مطابق نہیں بلکہ رب کی عطا کردہ شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ معیشت کے معاملات ہوں تو وہاں سے حرام کا خاتمہ کیا جائے۔ سیاست کے معاملات ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم اور نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ زندگی کے تمام امور کے لیے تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ معلوم ہوؤ کہ

اگر پورے اسلام کی فکر نہیں کی جا رہی، اگر پورے اسلام کی بات نہیں کی جا رہی، اگر پورے اسلام پر عمل کی کوشش نہیں کی جا رہی، اگر دین کے نفاذ کی جدوجہد نہیں کی جا رہی تو پھر شیطان کی پیروی ہو رہی ہوگی کیوں؟ کیونکہ دنیا میں دعوتیں دو ہی ہیں ایک طرف رحمن کی دعوت ہے اور دوسری طرف شیطان کی دعوت، اسی طرح دنیا میں پارٹیاں بھی دو ہیں۔ سورۃ المجادلہ اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورۃ مبارکہ ہے۔ اس میں ذکر آتا ہے کہ ایک حزب اللہ ہے اور دوسری حزب الشیطان ہے۔ ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پارٹی اور جماعت ہے اور دوسری شیطان کی پارٹی اور جماعت ہے۔ تو اگر اللہ کے دین پر عمل نہیں ہو رہا تو پھر لازماً شیطان کے نقش قدم کی پیروی ہو رہی ہوگی اور اس کی پیروی کرنے والے کے بارے میں قرآن حکیم راہنمائی بیان فرماتا ہے کہ وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ شیطان بھی اور اس کی پیروی کرنے والے بھی۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ پورے کے پورے دین پر عمل کے لیے دین کو سیکھنا اور اس کو انفرادی سطح پر فوری عمل میں لانا، دین کی دعوت کے لیے محنت کرنا اور دین کے قیام و نفاذ کی جدوجہد کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں شیطان کے حملوں سے بچائے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں پورے کے پورے دین میں داخل ہونے، عمل کرنے، دین کے راستے میں جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 06

(سورۃ الحج: آیت نمبر 77)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا  
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ: ”اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ اور سر بسجود ہو جاؤ اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ!“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے یہ قرآن حکیم کے سترھویں پارے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 77 ہے جہاں اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاسکو“ اللہ رب العالمین ایمان والوں سے خطاب فرما رہے ہیں اور ارشاد ہو رہا ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اکثر مفسرین نے اس سے یہی مراد لی ہے کہ یہاں نماز کا ذکر کیا جا رہا ہے اور کبھی کبھی نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن بیان کر کے نماز مراد لی جاتی ہے۔ رکوع بھی نماز کا رکن اور حصہ ہے۔ سجدہ بھی نماز کا رکن اور حصہ ہے۔ تو رکوع اور سجدے کا ذکر فرما کر گویا نماز کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہر چند گھنٹوں بعد ہمارے ایمان کا ٹیسٹ ہو رہا ہوتا ہے۔ جی علی الصلوٰۃ کی پکار لگتی ہے، اللہ اکبر کی پکار لگتی ہے کہ بندہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے یا نہیں، یہ بہت بڑا تقاضا ہے اور ہر چند گھنٹوں بعد یہ ٹیسٹ (امتحان) ہو رہا ہے۔ ہم اللہ کو تو مانتے ہیں، کیا اللہ کی بھی مانتے ہیں؟ نماز کی طرف اٹھتے ہوئے قدم بتادیں گے کہ جی ہاں! ہم اللہ کی بھی مانتے ہیں۔ اذان سننے کے باوجود بیٹھے ہوئے افراد، نمازوں کو ضائع کرنے والے کیا کہہ رہے ہیں اپنے طرز عمل سے؟ کہ ہم

اللہ کی نہیں مانتے، استغفر اللہ! لہذا اللہ تعالیٰ کو بھی ماننا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بھی ہر بات مان کر عمل کی بھی کوشش کرنی ہے۔ اور نماز ہر چند گھنٹوں بعد اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مبارک حدیث ہے طہرانی شریف میں، اس کا حاصل بھی یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔ یہ درست ہوگی تو باقی معاملات درست ہوں گے۔ نماز میں اگر کمی کو تاہی کا معاملہ ہو تو باقی معاملات بھی خراب ہو جائیں گے۔ سورۃ المدثر کی آیت نمبر 42 اور 43 میں ذکر آتا ہے کہ جنت والے جہنم والوں سے سوال کریں گے۔ کیا شے تمہیں جہنم میں لے گئی؟ جہنم والوں کا پہلا جواب ہوگا کہ (لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ) ہم نماز ادا کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ پاک ہمیں تمام نمازوں کی پابندی کرنے اور ساری زندگی انہیں وقت پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نماز کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو، اللہ ہمارا رب ہے، خالق بھی، مالک بھی اور پالنے والا بھی پرورش کرنے والا اور بے شمار نعمتیں عطا فرمانے والا بھی۔ وہ رب اپنی عبادت کا ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذریت کی آیت نمبر 56 میں ہماری زندگی کا یہی مقصد بیان فرمایا ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمام جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو زندگی عبادت کے لیے ہے۔ پوری زندگی میں مقصود کیا ہے؟ کہ ہم واقعی اللہ کے بندے بنیں، کیونکہ اللہ ہمارا معبود حقیقی ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ رکوع و سجود میں نماز کا ذکر آ گیا وہ بیان الگ ہے اور رب کی عبادت کرو یہ بیان الگ ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا صرف نماز تک یا چند ارکانِ اسلام نماز، زکوٰۃ، روزہ و حج تک محدود نہیں، یہ تو بڑے بڑے ستون Pillars ہیں، ارکانِ اسلام ہیں، ہمیں پورے اسلام پر عمل کرنا ہے اور پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کرنی ہے کیونکہ وہ چوبیس گھنٹے ہمارا معبود ہے۔ جس میں ہمارے انفرادی معمولات اور اجتماعی معمولات

زندگی بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد یہ بات فرمائی جا رہی ہے کہ ”اور خیر کے کام کرو“ اس سے مراد بھلائی کے کام لیے گئے، اس سے مراد انسانی ہمدردی کے کام، بندوں کے کام آنا، بندوں کے ساتھ بھلا سلوک کرنا، بندوں کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرنا یہ سب اس میں شامل ہے۔

بندوں کی سب سے بڑی حاجت کیا ہے؟ یہ کہ انہیں جہنم سے بچانے کی فکر کی جائے، لہذا! انہیں اللہ کی طرف بلانا اور اللہ کے دین سے جوڑنے کی کوشش کرنا یہ سب بھلائی کے کام ہیں۔ حقوق اللہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے اور حقوق العباد ادا کرنے کا بھی حکم ہے، اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا! ”تا کہ تم فلاح پاسکو“ کون سی فلاح؟ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اگر دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی درکار ہے تو نماز کی بھی، ارکان اسلام کی پابندی بھی، پوری زندگی میں اللہ کے بندگی بھی، مخلوق خدا کی خدمت کی کوشش بھی، یہ ایک مکمل پیکیج ہے جو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم یہ تمام اعمال کرو گے تو تم فلاح پا سکو گے۔ اللہ پاک فوز و فلاح پانے والوں میں ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 07

(سورة آل عمران: آیت نمبر 185)

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ  
الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

ترجمہ: ”ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا۔ تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے وہ سورة آل عمران کی آیت 185 ہے۔ اللہ رب العالمین نے یہاں ارشاد فرمایا! ”ہر نفس (جان) کو موت کا مزہ چکھنا ہے یہ چار الفاظ ہیں (کُلُّ، نَفْسٌ، ذَائِقَةُ، مَوْتٍ)۔ اس دنیا میں ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس دنیا میں اللہ کے ماننے والے ہوں یا اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے والے، سب موت کو تو مانتے ہیں۔ مسلمان بھی اور کافر بھی۔

بہت بڑا سوال ہے کیا میں اور آپ موت کے لیے تیار ہیں؟ موت چھوٹے بچوں کو بھی آتی ہے، جوانوں کو بھی آتی ہے اور بڑھاپے میں بھی آتی ہے اور ضرور آ کر ہی رہے گی تو کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟ اس آیت کریمہ کا اگلا حصہ ہے کہ ”اور تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تمہیں قیامت کے دن دے دیا جائے گا۔“ یہ ہے اصل معاملہ! دنیا عمل کا میدان ہے۔ اور آخرت نتائج کا موقع، جو کر رہے ہو سب پیش ہونے والا ہے۔ خیر کا عمل ہو یا شر کا، سب کچھ بارگاہ تعالیٰ میں پیش ہونے والا ہے۔ باطن میں کیا نیتیں تھیں

زبان پر کیا الفاظ تھے اور اپنے وجود سے کیا اعمال تم نے سرانجام دیئے؟ سب کا پورا پورا بدلہ کل قیامت کے دن چکا دیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ ”پس جو جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس یقیناً وہ کامیاب ہوا“ یہ ہے اصل کامیابی اور ناکامی کا معیار جو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بیان فرما رہا ہے۔

لوگوں کے تو بہت سے معیارات ہیں، یہ کامیاب ہو گیا، یہ ناکام ہو گیا، اس نے موقع Opportunity سے فائدہ اٹھا لیا، یہ بیچارہ مس (Miss) کر گیا اور دو چار فٹ نیچے زمین میں گئے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ہمیں بندوں کو جواب نہیں دینا بلکہ بندوں کے رب کو جواب دینا ہے۔ اور رب نے معیار کیا بیان فرمایا! کامیاب کون ہیں؟ ”پس جو جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس یقیناً وہ کامیاب ہوا“ یہ ہے اصل کامیابی اور اصل ناکامی کا معیار۔ ہم تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں! ہم جہنم کے بارے میں کتنے فکر مند ہیں کہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں اور ہم جنت کا کتنا شوق رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ میں اور آپ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال دن میں کتنی مرتبہ کرتے ہیں اور جہنم سے بچنے کے حوالے سے سوال کتنی مرتبہ کرتے ہیں اور مزید یہ کہ محض دعا کرنا کافی نہیں ہے، فقط سوال کرنا کافی نہیں ہے عمل اور محنت بھی ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا! کہ ”اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے“۔ ایک چھوٹا سا بچہ رنگ برنگی پنسلوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی چھین لے تو چیختا چلاتا ہے۔ یہی دو سال کا بچہ جب بارہ سال کا ہو جائے تو رنگ برنگی پنسلوں کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے کیونکہ اس وقت اس کی نگاہوں میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔

آج ہم دنیا کو بہت کچھ سمجھ رہے ہیں جب قیامت کے دن میدان حشر میں کھڑے ہوں گے تو اس دنیا کی زندگی کی کوئی حیثیت ہمارے سامنے نہیں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ”اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کے مال و اسباب کی

حیثیت ایک مچھر کے ”پر“ کے برابر بھی ہوتی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع تو اللہ پاک نے عارضی طور پر برتنے کو ہمیں دیا ہے اور یہ دنیا تو دارالعمل (امتحان گاہ) ہے، یہاں ایک وقت مقررہ تک کی مہلت اور عمل کرنے کی آزادی ہے۔ اصل تو آخرت کی زندگی ہے اور قرآن حکیم کہتا ہے کہ آخرت کی زندگی تو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے اور دنیا کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے قرآن کریم اس مقام پر! ”اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے“ یہاں بادشاہ ہو بڑے سے بڑا، دونٹ نیچے جائے گا تو ساتھ نہ محل جائے گا نہ تخت اس کے ساتھ جائے گا۔ یا پھر کوئی غریب ہو، مقروض ہو جب قبر میں چلا جائے گا تو دنیا کا مسئلہ تو بظاہر ختم ہو جائے گا لیکن اصل مسئلہ کہاں کا ہے؟ وہ اصل مسئلہ آخرت کا ہے۔ سورۃ ال عمران کی یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ ہر ذی نفس کو موت آنے والی ہے اور قیامت والے دن اس دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا پورا پورا بدلہ (اچھا یا برا) تمہارا منتظر ہے۔ اصل کامیابی اس کی ہے جو جہنم سے بچا لیا گیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ باقی رہی یہ دنیا! تو یہ دنیا تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ہاں! اس دنیاوی زندگی کی ایک اہمیت ہے اور وہ یہ کل کی، آخرت کی، ہمیشہ کی زندگی کی تیاری کا موقع اور مہلت اس دنیا میں ہے۔ بس اس اعتبار سے دنیا کی اہمیت ہے ورنہ یہ دھوکے کا سامان ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی فکر عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 08

(سورة النحل: آیت نمبر 90)

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ  
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

ترجمہ: ”یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کو (ان کے حقوق) ادا کرنے کا اور وہ روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے وہ قرآن حکیم میں سورة النحل کی آیت نمبر 90 ہے۔ جمعہ کے خطبات میں بھی اکثر ائمہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ بہت پیاری اور جامع آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور تین باتوں سے منع فرمایا۔ اور ان باتوں میں بہت اہم معاشرتی ہدایات دی گئی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کرنے کا اور احسان کرنے کا اور رشتہ داروں کو حق ادا کرنے کا“ ان تین باتوں کو اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سب سے پہلا حکم اس آیت مبارکہ میں ہے عدل کرنا! ”عدل“ ہمارے دین کی بہت ہی اہم تعلیم ہے اور اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو دیا جائے۔ یہ عدل اولاد میں بھی مطلوب ہے، یہ عدل اپنے سٹاف (ملازمین) میں بھی مطلوب ہے، اگر ایک سے زائد کسی کے نکاح ہوں تو وہاں بھی مطلوب ہے، اور جو کسی کا حق بنتا ہے وہ اس کے حوالے کر دینا یہ بھی عدل کا تقاضا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قانون کا بھی تقاضا ہے اور معاشرے کے اندر قانون کی پاسداری ضروری ہو کرتی ہے۔ البتہ

بالا تر قانون وہ ہے جو وحی کی تعلیم کے ذریعے قرآن و سنت کی روشنی میں عطا کیا گیا ہے۔ دوسرا حکم ہے ”اور اللہ احسان کا حکم دیتا ہے“ احسان کا لفظ حسن سے بنا ہے یعنی ہر ہر معاملے میں عمدگی کا رویہ اختیار کرنا جیسا کہ آپ ﷺ کی سکھائی گئی فرض نمازوں کے بعد سکھائی گئی پیاری سی ایک مسنون دُعا میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ (اللَّهُمَّ اَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ) (ابوداؤد۔ راوی حضرت معاذ بن جبلؓ) ”اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے، اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی عمدہ (حسین) عبادت کے لیے“ البتہ یہاں اس کی ایک اور پہلو سے بھی ترجمانی کی گئی ہے کہ عدل قانون کا تقاضا ہے۔ قانون اس کے لیے بنیاد بنتا ہے جبکہ ”احسان“ اخلاقی رویہ ہے۔ مثلاً ایک شخص سے ہم نے معاملہ طے کیا اور اس سے کہا کہ تم یہ کام کر دو تو اس کے بدلہ میں ایک ہزار روپے تمہارا معاوضہ ہوگا، اس نے کام کیا اور اچھے اور احسن انداز سے کیا تو قانون کے مطابق تو ایک ہزار روپے اسے دے دیئے جائیں لیکن آپ نے اس کے کام سے خوش ہو کر گیارہ سو روپے دے دیئے، یہ اضافی ایک سو روپیہ احسان کے زمرے میں آئے گا نہ کہ قانون کے۔ یہ ہے فیاضی والا رویہ، عمدہ اخلاق والا رویہ۔

اب اس کے بعد تیسری ہدایت ہمارے سامنے آرہی ہے ”اور اللہ حکم دیتا ہے رشتہ داروں کو ان کا حق دینے کا“ یعنی آج تمہارے رشتہ دار اگر کسی مصیبت اور تکلیف میں ہیں اور تم ان کے کسی کام آرہے ہو تو یہ کوئی احسان نہیں کر رہے ہو بلکہ تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو اور اس کا حق ادا کر رہے ہو۔ اب ذرا ترتیب دیکھیے! عدل، قانون کیا ہے کہ! ہزار روپیہ طے کیا ہزار روپے ادا کر دیئے جبکہ احسان یہ ہے کہ ایک ہزار روپے طے کیے اور گیارہ سو ادا کر دیئے، یہ تو ہے مزدوری اور احسان کا معاملہ۔ اور ایک ہے رشتہ دار کا معاملہ، اپنا فرض جانو اور آگے بڑھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تین احکامات ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ معاشرہ اگر ان خطوط پر استوار ہو تو کس قدر خوبصورت معاشرے ہوں گے، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اب تین باتوں سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ بے حیائی سے منع فرماتا ہے“ تو جان لیجیے رحمان کی دعوت کیا ہے کہ بے حیائی کو چھوڑ دو جبکہ شیطان کی دعوت کیا ہے؟ سورۃ البقرۃ (آیت نمبر: 169) میں ذکر آتا ہے کہ (يَا مُرْكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ) (البقرہ: 169) ”وہ بے حیائی اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے“ اور بے حیائی کے ذیل میں سادہ سی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فطری جذبہ انسان میں رکھا اور اس کی تکمیل کے لیے نکاح کے پاکیزہ بندھن کی تلقین فرمائی۔ اب جو اس پاکیزہ بندھن کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو وہ راستہ زنا کی طرف لے جائے گا۔ اب وہ سارے اُمور جو زنا کی طرف اور ناجائز تعلقات کی طرف لے کر جانے والے ہیں وہ سب بے حیائی میں شامل ہیں۔ مثلاً بے پردگی ہو یا فلمیں اور ڈرامے ہوں، ناچ گانے ہوں یا عورتوں کو بے پردہ بنا کر پیش کیا جانا ہو، یہ سب لہو و لعب اس بے حیائی میں داخل ہیں جبکہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ تمہیں روکتا ہے بے حیائی کے کاموں سے“ اور اللہ پاک تمہیں منع فرماتا ہے ”منکر سے“ منکر ایسی شے کو کہتے ہیں جسے فطرتِ انسانی بھی ناپسند کرتی ہو اور شریعت بھی منع کرتی ہو۔ وعدہ خلافی کا معاملہ ہو یا جھوٹ کا معاملہ، دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کا معاملہ ہو یا ایسے منکرات کا جس سے دین بھی منع فرماتا ہے۔ ان سب باتوں سے رُکنے اور انہیں چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور تیسری بات جس سے منع فرمایا گیا کہ (وَالْبَغْيِ) ”اور اللہ تعالیٰ سرکشی سے تمہیں منع فرماتا ہے“ سرکشی، زیادتی، حقوق العباد کو پامال کرنا، بندوں کے ساتھ زیادتی کرنا، ان پر ظلم و ستم کرنا، یہ سب سرکشی میں شامل ہے۔ تو اللہ پاک بے حیائی سے، منکر سے اور سرکشی کے کاموں سے منع فرماتا ہے۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا! (يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ) ”اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم دھیان دو“ اور ان تمام تعلیمات پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ ان ہدایات پر مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے معاشروں کو بھی بہترین معاشرے بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 09

(سورة البقرة: آیت نمبر 186)

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

ترجمہ: ”اور (اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (ان کو بتادیکھیے کہ) میں قریب ہوں۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی (اور جہاں بھی) وہ مجھے پکارے پس انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم میں سورة البقرہ کی آیت نمبر 186 ہے۔ رمضان اور رمضان کے روزوں کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں بیان ہوا وہ اسی مقام پر سورة البقرہ کے تیسویں رکوع میں ہے۔ اس تناظر میں یہ بڑی اہم آیت کریمہ ہے۔ اس آیت میں تین اہم باتوں کا تذکرہ ہے۔ سورة البقرہ کی آیت نمبر 186 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اور اے نبی ﷺ! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں“ اللہ اکبر! حضور ﷺ کے ذریعے ہمیں راہنمائی فراہم کی جا رہی ہے کہ بے شک اللہ قریب ہے۔

چھبیسویں پارے، سورة ”ق“ کی آیت نمبر 16 میں ارشادِ ربانی ہے کہ (نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ) ”ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں“۔ یہ قرب اللہ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ جب جب دُعا کرنے والا مجھ سے دُعا کرتا ہے میں اس کی دُعا کو قبول کرتا ہوں۔ یہ گارنٹی ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرما رہا

ہے کہ جب جب بھی مجھے پکارو گے، جب جب مجھ سے مانگو گے، جب جب مجھ سے سوال کرو گے، میں تمہاری پکار سنوں گا، تمہاری پکار کا جواب دوں گا اور تمہاری دعا قبول کروں گا البتہ آگے ایک شرط آرہی ہے جسے اکثر و بیشتر فراموش کر دیا جاتا ہے وہ شرط کیا ہے؟ ”پس انہیں بھی تو چاہیے کہ بس میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“

ہم چاہتے ہیں اللہ پاک ہماری سن لے تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے میری بھی تو مانو! جیسے کہ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں ارشاد ہوتا ہے (فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ) پس تم جب میرا ذکر کرو گے تو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ تو یہاں بتایا جا رہا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے، تمہاری پکار کو سن لے تو تم بھی اللہ رب العالمین کے احکامات پر عمل کرو۔ ایک طرف تو اللہ کے قرب کا بیان آرہا ہے کہ وہ ہم سے بہت زیادہ قریب ہے رمضان کے روزے ہوں یا نفل روزے، روزے کا ایک بہت بڑا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہماری روح بیدار ہوتی ہے اور اس روح میں اللہ رب العالمین سے ملاپ کی ایک خواہش (Urge) پیدا ہوتی ہے۔ روزے کے نتیجے میں بندہ بھوکا پیاسا رہتا ہے تو مادی جسم کمزور اور روح طاقتور ہوتی ہے اور اللہ کی طرف توجہ بڑھتی ہے۔ یہ روزے کا حاصل بھی ہے اور عموم کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ تو ہم سے بہت قریب ہے۔ یہ تو ہم ہیں جو کوتاہی کر بیٹھتے ہیں، لا پرواہی کر بیٹھتے ہیں، غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اپنے خالق و مالک کو بھلا دیتے ہیں جبکہ اس کی شان تو ہے (لَا تَأْخُذُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ) (سورۃ البقرہ: 255) کہ ”اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ“ ہر آن ہر دم اللہ تعالیٰ کی توجہ بندوں کی طرف رہتی ہے تبھی تو آپ کی اور میری زندگی برقرار ہے۔ تبھی تو آپ کے اور میرے وجود کے اعضاء اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب جب تم مجھے پکارو گے میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔

ایک حدیث مبارک میں ذکر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی قبولیت کی

مختلف کیفیات بیان فرمائی ہیں۔ بندہ کچھ مانگتا ہے اللہ کی مشیت میں وہ بات بندے کے لیے بہتر ہوتی ہے اللہ پاک وہی عطا فرمادیتا ہے۔ کبھی بندہ کچھ ایسی شے مانگ لیتا ہے جو بندے کے لیے اچھی نہیں ہوتی یا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق بندے کے لیے مفید نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ وہ شے تو نہیں دیتا البتہ کسی تکلیف کو، مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کچھ بھی نہ ہو اور اس دعا کا ذخیرہ کر لیا جائے آخرت کے لیے اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن ڈھیروں اجر بندوں کو عطا ہوگا تو بندے کہیں گے یا اللہ! یہ کیا ہے؟ اللہ فرمائے گا یہ تمہاری وہ دعائیں ہیں جو دنیا میں قبول نہیں ہوئیں تھیں، اس وقت بندہ تمنا کرے گا کہ کاش! ایک بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی سب کا اجر مجھے آخرت میں ذخیرے کے طور پر مل جاتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنے والا، اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ قرآن حکیم میں ذکر یا علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں کہ (وَلَمْ أَكُنْ مِدْعَايَكَ رَبِّ شَقِيًّا) (سورۃ مریم: 4) اے میرے رب تجھ سے مانگ کر، تجھ سے دعا کر کے، تجھے پکار کر میں کبھی بھی محروم نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ تو دعاؤں کو قبول فرماتا ہے وہ گارنٹی عطا فرما رہا ہے۔ البتہ ایک بڑی اہم شرط ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ بندے میرا حکم تو مانیں! یہ ہے اہم بات، اللہ کی نافرمانیاں ہوں، گناہوں میں بندہ مبتلا ہو، حرام مال وجود میں جا رہا ہو، حرام کاموں میں بندہ مبتلا ہو تو کیسے اس کی دعا قبول ہوگی۔ حدیث میں ذکر آتا ہے بندہ دور دراز سے سفر کر کے حرم میں آئے۔ مفسرین اور شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ وہ کعبے کا غلاف بھی پکڑ لے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرے۔ اس کے چہرے پر مٹی، سر میں مٹی اور بالوں میں مٹی ہو، دور دراز کا سفر کر کے آیا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی، اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، پرورش حرام سے ہوئی، غذا اس کی حرام، کیسے اس کی دعا قبول ہوگی۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا لیکن تمہیں بھی تو چاہیے کہ تم میرا حکم مانو اور مجھ پر (دل سے) ایمان رکھو۔

سب کچھ ہونے کا یقین اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات سے ہو کہ نفع و نقصان کا کُل اختیار اللہ کے پاس ہے۔ ہم کمزور ہیں اللہ تو طاقتور ہے۔ ہمارا فہم کم ہے۔ اللہ کی عطا بہت بڑی، اس کی شان بہت بلند ہے۔ اس کا یقین رکھتے ہوئے مانگنا چاہیے تاکہ ہم ہدایت پائیں۔ یہ ہے جو دعا کے بارے میں اللہ رب العالمین ہم سے اظہار فرما رہا ہے کہ میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں لیکن تم بھی میرا حکم مانو اور مجھ پر ایمان رکھو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مانگنے والا بنائے اور تمام گناہوں سے بچتے ہوئے تقویٰ والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں ہے اور اللہ سے نہ مانگنا استکبار ہے۔ لہذا اتنا مانگیں جیسا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جامع ترمذی شریف کی روایت میں کہ ”جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو“۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا مانگنے والا بنائے اور گناہوں سے بچنے والا بنائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 10

(سورة البقرة: کی آیت نمبر 261)

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ”مثال ان کی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں (اللہ کے دین کے لیے) خرچ کرتے ہیں ایسے ہے جیسے ایک دانہ کہ اُس سے سات بالیاں (خوشے) پیدا ہوں اور ہر بالی میں سودا نے ہوں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

آج کی آیت کریمہ کے حوالے سے جس آیت مبارکہ کا انتخاب کیا ہے وہ سورة البقرہ کی آیت نمبر 261 ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں خرچ کرنے کے اجر و ثواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ارشاد ہوا! ”ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک ایسے دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیاں اُگ آئیں اور ہر بالی میں سودا نے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اجر کئی گنا زیادہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور خوب علم رکھنے والا ہے“ یعنی اگر کسی مؤمن نے ایک دانہ کسی کو دیا ہو تو اس سے سات بالیاں اُگ آئیں اور ہر بالی میں سو سودا نے ہوں تو کتنا ہو گیا؟ سات سو گنا ہو گیا۔ ساری دنیا کے کاروباری ادارے مل کر بھی اتنی پرکشش پیشکش نہیں کر سکتے ہیں۔ یعنی (700 گنا) اللہ تعالیٰ اجر کو بڑھا دیتا ہے۔ آگے ارشاد ہوا! ”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اجر اور بڑھا دیتا ہے“ سات سو سے بھی زائد اللہ تعالیٰ چاہے گا جس کو عطا فرمائے گا۔ اللہ وسعتوں والا ہے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں اللہ خوب

علم رکھنے والا ہے۔ خرچ کرنے والوں کا عمل اللہ کے علم میں ہے اُن کا عمل بھی اور اُن کی نیت بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ انفاق کسی بھی چیز یا مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے یا کھپانے کو کہتے ہیں۔ یہاں مال کے انفاق کا بیان آیا ہے۔ مال کے انفاق کی دو بڑی بڑی مَدَات ہیں ایک مَد کو ہم کہتے ہیں قرضِ حسنہ، یعنی وہ مال جو اللہ رب العالمین کے دین کی سر بلندی کے لیے، اس کے دین کی دعوت اور نشر و اشاعت کے لیے، اس کے دین کی اقامت اور اس کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے اور اس لیے خرچ کرنا کہ اس کا دین بالفعل غالب و قائم ہو جائے۔

اور دوسری کو ہم کہتے ہیں صدقات۔ صدقہ کی فرض شکل ہے زکوٰۃ، جس کے مصارف کا بیان آیا ہے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 60 میں۔ وہاں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کا بیان آیا ہے وہاں صدقات کا لفظ بھی آیا ہے اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ تو صدقے کی فرض شکل زکوٰۃ ہے۔ ایک شکل واجب بھی ہے جیسا کہ صدقہ فطر کا معاملہ ہوتا ہے اور پھر عموم کے اعتبار سے نفلی صدقات کا معاملہ ہوا کرتا ہے تو صدقات اکثر و بیشتر بندوں کی حاجات پر خرچ ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس کی فرض اور واجب شکل بھی ہوتی ہے اور نفل بھی۔

”قرضِ حسنہ“ اکثر و بیشتر اللہ کے دین کی دعوت اور اس کے دین کی سر بلندی کے لئے خرچ ہو رہا ہوتا ہے قرضِ حسنہ اور صدقات ان دونوں کو ملائیں تو انفاق کا بڑا عنوان (Title) بنتا ہے۔ اس انفاق کا اجر و ثواب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ سات سو گنا تک اللہ تعالیٰ اجر بڑھا دیتا ہے یہ اجر کیسے بڑھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ بندہ کتنے خلوص کے ساتھ خرچ کر رہا ہے، بظاہر کتنے مشکل حالات میں خرچ کر رہا ہے؟ کتنی مشقت اس کو اٹھانا پڑ رہی ہے، اور یہ مشقتیں کس قدر ہیں؟ کتنے موافق یا مخالف حالات میں بندہ خرچ کر رہا ہے اس سے یہ اجر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں اور مالی اعتبار سے مختلف کیفیات دی ہیں تو ہر ایک کو خرچ

کرنا چاہیے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا! ”کھجور کا ایک دانہ اللہ کی راہ میں دے کر بھی اگر تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہو تو بچا لو“ یہ صحیح مسلم شریف کی روایت ہے اور اللہ تعالیٰ اجر کہاں تک بڑھاتا ہے؟ مسلم شریف کی ایک اور روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا تم ایک کھجور اللہ کی راہ میں دیتے ہو اللہ اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کے اجر کو پروان چڑھاتا ہے، یہاں تک کہ ایک پہاڑ، اور روایت میں ہے کہ اُحد پہاڑ جتنا اجر ہو جاتا ہے۔ اور رمضان کا مہینہ تو ہے ہی غم خواری کا مہینہ، ہمدردی کا مہینہ اور اس ماہ مبارک میں نبی ﷺ کی سخاوت کی کیفیت بخاری شریف کی روایت میں آئی ہے کہ، تیز رفتار آندھی کی سی تیزی اس میں آجایا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مجھے اور آپ کو اور زکوٰۃ جن پر فرض ہو وہ تو انہوں نے ادا کرنی ہی ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ یہ انفاق کا اجر تب ملتا ہے جب یہ مال حلال میں سے ہو۔ مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے۔ حرام مال سے کیا گیا صدقہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خلوص کے ساتھ اپنے کلمے کی سر بلندی کے لیے بھی، اپنے دین کی سر بلندی کے لئے بھی، مخلوق کی خدمت کے لیے بھی مجھے اور آپ کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کی ذات بڑی غیور ذات ہے۔ آخرت کا اجر تو ہے ہی، اللہ پاک دنیا میں بھی برکت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور ہم سب کو اپنی راہ میں حلال مال سے، زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

# درس نمبر 11

(سورة التوبہ: آیت نمبر 24)

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾

ترجمہ: ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)، تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے، اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں، (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔“

آج کی آیت کے حوالہ سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ سورة التوبہ کی آیت نمبر 24 ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے محبتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ رشتوں اور مال و اسباب کی کل آٹھ محبتیں۔ یہ آٹھ (8) محبتیں ایک طرف اور تین محبتیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی محبت دوسری طرف اور دعوتِ فکردی جارہی ہے۔ دیکھ لو کونسا پلڑا بھاری ہے؟ سورة التوبہ کی آیت نمبر 24 میں ارشاد ہوا:

”اے نبی ﷺ! آپ فرما دیجیے اے لوگو! اگر تمہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتے دار

اور جو مال تم نے بڑے محنت سے کمائے ہیں اور جس تجارت کے نقصان کا تمہیں اندیشہ لگا رہتا ہے اور وہ مکانات اور محلات جو تم نے بہت شوق سے بنائے ہیں اگر یہ آٹھ محبتیں یا ان میں سے کوئی ایک تمہیں زیادہ محبوب ہے اللہ کی محبت سے، اس کے رسول ﷺ کی محبت سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی محبت سے تو جاؤ اور انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین کا حکم آجائے، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

بہت لرزا دینے والا ایک انداز ہے جاؤ پھر انتظار کرو اللہ تعالیٰ کے حکم کا، یہ حکم موت کا بھی ہو سکتا ہے اور عذاب کا بھی اور ایسے فاسقوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ کیا دعوتِ فکر دی جا رہی ہے؟ ہم اپنے باطن میں ایک ترازو قائم کریں جس کے دو پلڑے ہوں، ایک پلڑے میں 8 محبتیں باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار، مال اور تجارت اور مکانات و محلات کی محبت اور دوسرے پلڑے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی محبت رکھیں اور پھر دیکھیں کون سا پلڑا بھاری ہے۔ اگر یہ آٹھ محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو دھمکی کا انداز ہے جاؤ پھر انتظار کرو اللہ کے عذاب اور اللہ کے فیصلے کا اور ایسے فاسقوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

رشتوں کی اہمیت دین نے بتائی ہے مگر ان رشتوں سے محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے تابع رہنی چاہیے۔ حلال کماؤ اور حلال ہی میں خرچ کرو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے گھر بھی بنایا جائے تاکہ اس میں رہائش اختیار کی جاسکے کوئی حرج کی بات نہیں ”یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے“ یہ دنیا میں برتنے کی چیزیں ہیں یہ رشتے ہیں، یہ مال ہے، یہ تجارت ہے، یہ ہماری ضرورت ہے مقصود نہیں ہے۔ ان کو تابع رہنا ہوگا اللہ تعالیٰ کی محبت کے اور رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے۔ اگر یہ آٹھ محبتیں بڑھ جائیں اور یہ پلڑا بھاری ہو جائے تو پھر بہت بڑی دھمکی کا انداز سامنے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اس کے برعکس اگر اللہ کی محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت سب سے بلند تر، پہلے اور سب سے اوپر ہے اور بقیہ محبتیں ان تین محبتوں کے تابع ہیں تو کوئی حرج کی بات نہیں اگر بیوی نیک ہو تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہترین نعمت ہے۔ اولاد کو نیک بنائے گی۔ اولاد بھی صدقہ جاریہ بنے گی۔ حلال مال کمائے گی تو ثواب بھی ملے گا اور جائز میں خرچ کرے گی تو اجر بھی ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ جب تم ماں باپ کو لقمہ کھلاتے ہو، بیوی کو لقمہ کھلاتے ہو، اولاد کو لقمہ کھلاتے ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان سب کاموں کا اجر ہے مگر یہ سب مقصود نہ بن جائے۔ یہ ضرورت کے طور پر رہیں لیکن سب سے اوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت رہے۔

ایک اور اہم نکتہ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے: (وَ الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ) ایمان والوں کی شدید ترین محبت اللہ سے ہوتی ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 06 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے! ”نبی اکرم ﷺ ایمان والوں کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر مقدم اور محترم ہیں“ تو سب سے اوپر محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہو اور باقی محبتیں ان کے تابع رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت قلبی معاملہ ہے۔ اظہار کس بات سے ہوگا؟ وہ جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے۔ ایک ہے قتال، وہ تو جنگ ہے جس کا کبھی کبھی موقع آتا ہے اور ایک ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ۔ مستقل محنت اور گناہوں سے بچنے کے لیے محنت، علم دین سیکھنے کے لیے محنت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے محنت، اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لیے محنت، اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کی جدوجہد والی محنت۔ اس میں کبھی باطل سے ٹکراؤ ہے اور اگر قتال فی سبیل اللہ کی مزید شرائط بھی پوری ہو جائیں تو جنگ کا بھی معاملہ آجائے گا۔ یہ سارا عمل جہاد کا ہے۔ اس سے پتہ چلے گا کہ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت موجود ہے یا نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ ایک مستقل عمل ہے پوری زندگی بھر کا اللہ تعالیٰ کی

بندگی کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دینے کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی پر مبنی نظام کو قائم کرنے کے لیے۔ اگر تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بات جو آگے دھمکی کے انداز میں آرہی ہے وہ ہمارے لیے نہیں ہوگی اور اگر دنیاوی محبتوں اور رشتوں میں ڈوب گئے اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام اور اللہ کے دین کو پس پشت ڈال دیا تو پھر اللہ فرماتا ہے (وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ) اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی محبت میں ڈوبنے سے بچائے اور اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور اپنے رسول ﷺ کی محبت اور اپنی راہ میں جہاد کی محبت ہم لوگوں کو سب سے اوپر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔ یارب العالمین!

# درس نمبر 12

(سورة الحجرات: آیت نمبر 2)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ  
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ  
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اپنی آواز کبھی بلند نہ کرنا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اور نہ انہیں اس طرح آواز دے کر پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو۔ مبادا تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

آج کی آیت کریمہ جس کا ہم نے انتخاب کیا ہے یہ سورة الحجرات کی آیت نمبر 2 ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کا ذکر باجاً قرآن پاک میں آتا ہے۔ البتہ اس موضوع پر اہم ترین اور حساس ترین جو بات آئی ہے وہ سورة الحجرات کی اس آیت نمبر 2 میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے تعلق سے ہماری رہنمائی کی ہے۔ سورة الحجرات آیت نمبر 2 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو اور ان کے روبرو اس طرح زور سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز میں گفتگو کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوتے چلے جائیں اور تم کو شعور بھی نہ ہو“ اللہ اکبر! تمہاری آواز بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند نہیں ہونی چاہیے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اتنے دھیمے انداز سے گفتگو کرنے لگے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ذرا بلند آواز سے بات کرو۔ صحابہ کرامؓ اس طرح

نبی اکرم ﷺ کا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ اندازہ کریں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اوپر تمہاری آواز ہوگئی تو تمہاری نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ ہمارے لئے آج اس کا عملی پہلو کیا ہو سکتا ہے۔ اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ جب روضہ رسول ﷺ پر حاضری ہو آواز بہت دھیمی رکھی جائے۔ جب ہمارے سامنے احادیث مبارکہ کا ذکر ہو تو بہت توجہ سے اور خاموشی سے سنا جائے۔ جب دو افراد کے درمیان گفتگو ہوتے ہوتے بحث و مباحثہ شروع ہو جائے اور ایک اپنے موقف Argument کے طور پر حدیث رسول ﷺ کو پیش کر دے تو دوسرے کو خاموش ہو جانا چاہیے یہ تو اس کے فوری پہلو ہیں کہ ہماری آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اس کو مزید اور آگے لے کر چلیں۔ اگر آواز سے آواز بلند ہو جائے تو نیکیاں برباد ہو جائیں اور ایسے کہ شعور بھی نہ ہو اس قدر بڑی سزا ہے۔ دیکھیے بندے کو احساس ہو کہ میں نے گناہ کیا ہے تو توبہ کر لے گا۔ ایک اور بندے کو گناہ کا احساس ہی نہیں ہے تو توبہ کی توفیق کہاں سے ملے گی۔ اس قدر بڑی سزا ہے نبی اکرم ﷺ کی شان میں بے ادبی کرنے کی۔ اندازہ کریں آواز سے آواز اوپر ہو جائے تو نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔

جو لوگ نبی ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں وہ تو ہیں ہی جہنم کے اندر اور جو نبی اکرم ﷺ کی سنت کا سرے سے انکار کرے (Authority of Sunnah) سنت کی قطعی حجت ہی کو تسلیم ہی نہ کریں ان کا کیا انجام ہوگا؟ وہ لوگ جو نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کریں یہ لوگ تو ہوتے ہی کافر ہیں تو ان کا انجام تو ہونا ہی برا ہے۔ ہمارے لیے دعوتِ فکر ہے کہ ہمارے اندر غیرتِ ایمانی موجود ہے کہ نہیں کہ اگر کہیں حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کا معاملہ ہو اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا ”اُس امت کا زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ جس کے پیغمبر کی شان میں گستاخی کا معاملہ ہو اور امت بیٹھی رہے۔“

آج حالات ایسے بن چکے ہیں کہ غیروں کی طرف سے، کافروں کی طرف سے،

دین دشمنوں کی طرف سے آئے دن تو بین رسالت کا معاملہ ہے تو امت کے لیے غیرت کا ثبوت پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ ہاں! ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے جو لوگ نبی ﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑائیں یہ داڑھی جو مسلمان رکھتا ہے محمد مصطفیٰ ﷺ کا حکم سمجھ کر اور ان کے پیارے چہرے کی یہ سنت سمجھ کر۔ آج میری بہن اور بیٹی اگر نقاب کرتی ہے حجاب کرتی ہے، پردہ کرتی ہے تو بی بی فاطمہ الزہراءؓ کی چادر کا لحاظ رکھتی ہے ان کی پیروی کرتی ہے۔ وہ اماں عائشہ صدیقہؓ کے لباس کی پیروی کرتی ہے۔ آج ہمارے یہ ظاہری شعار Getup جو سنت کی تعلیم کے قریب ہے اگر ان شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ آج اگر کوئی یہ کہے کہ اس حکم پر عمل ہو نہیں سکتا یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے ایسی گفتگو جو ہمارے معاشرے میں اکثر چلتی رہتی ہے۔ یہ بھی بے ادبی ہے کہ نہیں؟ اپنی آوازوں کو نبی ﷺ اکرم کی آواز سے بلند نہ کرنا، اور نہ ان کے روبرو زور سے باتیں کرنا جیسے آپس میں کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

اہل علم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ جو آج نعتِ رسول مقبول ﷺ کو بیان کرتے ہوئے اور پیش کرتے ہوئے جو انداز کنسرٹ (Concerts) کا آ گیا ہے۔ میوزیکل آلات (Instruments) استعمال ہو رہے ہیں اور جو Concerts کے اندر دائیں بائیں جھومنے کا انداز بھی آ گیا ہے، عشق و معشوقی اور محبت کی داستانوں کی گراوٹ کی باتیں ہیں، وہ الفاظ اور انداز جو نبی ﷺ کی شان اقدس بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، سارے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خود اپنی جگہ بے ادبی کا ایک پہلو ہے۔ خدا را اس سے بھی بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت ادب اور احترام اور آپ ﷺ کی مبارک تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 13

(سورة آل عمران: آیت نمبر 110)

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ  
لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

ترجمہ: ”تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ سورة آل عمران کی آیت نمبر 110 ہے۔ یہ امت جو نبی مکرم ﷺ کی امت ہے۔ یہ آخری امت ہے اور یہ بہترین امت ہے۔ البتہ یہ بہترین اس لیے ہے کہ اس کو سارے انسانوں کی رہنمائی کے لیے کھڑا کیا گیا ہے اور کچھ ذمہ داریاں بھی اس امت پر ڈالی گئی ہیں۔ ان باتوں کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔ سورة آل عمران کی آیت نمبر 110 میں ارشاد ہوا! ”تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کیا گیا۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا ان میں کچھ ایمان والے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔“

آیت کریمہ کے آغاز میں فرمایا گیا تم بہترین امت ہو۔ دیکھئے دنیا میں جب بھی کسی کو کوئی پُرکشش عہدہ، کوئی بہت بڑا منصب بنگلہ گاڑی سمیت ملتا ہے تو مفت میں نہیں

ملتا بلکہ ذمہ داری کے ساتھ ملتا ہے۔ اور جتنا بھاری منصب ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور پھر فوائد Benefits بھی اتنے ہی ملتے ہیں۔ اس اُمت کو بہترین اُمت قرار دیا گیا تو کس ذمہ داری کی وجہ سے؟ (أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) اس اُمت کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا۔ لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے پیدا کیا گیا۔ ہمیں اور آپ کو صرف اپنے لیے نہیں جینا بلکہ دوسروں کی بھی فکر کرنی ہے۔ ختم نبوت کے بعد اب انسانیت کے سامنے اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنا، اللہ کے دین کی گواہی پیش کرنا اور اللہ کے دین کو غالب کر کے نمونے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ یہ سب اس خیر اُمت کی ذمہ داری ہے۔ آگے فرمایا گیا (تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) تم بھلائی کا حکم دو گے بدی سے روکو گے۔ یہ بہت اہم فریضہ ہے جو بتایا جا رہا ہے۔ ہم نے نہ صرف دوسروں کی بھی فکر کرنی ہے بلکہ خود بھی نیک بننا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دینی ہے۔ خود بھی بدی سے بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بدی سے بچانے کی کوشش کرنی ہے۔ البتہ حکم کب دیا جاسکتا ہے جب اختیار ہو۔ میں اپنے بیٹے کو حکم دے سکتا ہوں لیکن اپنے محلے والوں کے بچوں کو اور محلے والوں کو حکم نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے قوت نافذہ ہونی چاہیے۔ جو دراصل اہل اقتدار کے پاس ہوا کرتی ہے۔ تو مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے اور اہل اقتدار کی بھی ذمہ داری ہے کہ نیکی کا حکم دیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کا نفاذ کریں (وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) اور تم بدی سے روکتے ہو۔ تو جن کے پاس قوت اور اقتدار ہے وہ تو طاقت استعمال کریں سود کے خاتمہ کے لیے، جوئے کے خاتمہ کے لیے، شراب کے خاتمہ کے لیے، بے حیائی کے خاتمہ کے لیے۔

عام مسلمان سے تو میں اور آپ درخواست کریں گے، دعوت دیں گے کہ بھائی سود کو چھوڑ دو، بے حیائی کو چھوڑ دو۔ ہمارے پاس طاقت نہیں لیکن جن کے پاس طاقت ہے ان کو کل اللہ تعالیٰ کو جواب بھی دینا ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ طاقت کے ذریعے سے بدی اور منکرات کا خاتمہ کریں۔ جہاں اختیار نہیں، وہاں دعوت ہے، تبلیغ ہے، درخواست

ہے، یاد دہانی ہے، منت سماجت کرنا ہے لیکن جہاں اختیار ہے وہاں پر اختیار استعمال کر کے نیکی کا حکم دیا جائے گا، فرائض پر عمل درآمد کروایا جائے گا اور بدی کو مٹایا جائے گا۔ آگے فرمایا! (وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ) اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ آپ قرآن حکیم پڑھ جائیں اکثر و بیشتر آپ کو ترتیب میں ایمان پہلے ملے گا، عمل بعد میں ملے گا۔ (اٰمِنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) یہاں ترتیب بدل گئی اور کس آیت میں بدل گئی؟ جہاں خیر امت کا ذکر آیا ہے خیر امت والی اس آیت میں عمل کا بیان پہلے ایمان کا بیان بعد میں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تم نیکی کا حکم دو گے تم بدی سے روکو گے تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو آخر ایسا کیوں؟ ہم بھی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں تو اس میں کمال کیا ہے؟ حضرت نوحؑ کے دور میں جو لوگ ایمان والے تھے انہیں تو حکم تھا صرف نوحؑ کا کلمہ پڑھنے کا اور انہوں نے کلمہ پڑھا اور کامیاب ہو گئے۔ آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلمہ پڑھیں گے تو کامیابی ملے گی۔ تو کلمہ آج پڑھنے کا موقع ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ ہم بھی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں تو اس میں کمال کیا ہے؟ کمال تو جب ہے کہ تم کلمہ پڑھ کر ہی بیٹھ نہ رہو۔ کلمے کے تقاضوں پر خود بھی عمل کرو، کلمے کے تقاضوں کو بیان بھی کرو، کلمے کے تقاضوں کے نفاذ کی جدوجہد بھی کرو۔ یہ کرو گے تو تم بہترین امت ہو اور اہل علم نے بیان فرمایا، امام قرطبی بھی فرماتے ہیں ”وہ شخص امتی کہلوانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جو اس فریضے کو انجام نہ دے“ یہ امت صرف گھر بنانے کے لیے اور کاروبار چلانے کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔ یہ کام تو کافر بھی کر رہے ہیں تو ہم کہاں سے خیر امت ہو جائیں گے اگر ہم نے بھی عمارتیں بنا لیں، جائدادیں بنا لیں یہ کون سے کمال کی بات ہے؟ ہمارے فرائض کیا ہیں؟ ہمیں دوسروں کے لیے برپا کیا گیا ہے ہم نیکی کا حکم دیں گے بدی سے روکیں گے۔ یہ کام کریں گے تو ہم خیر امت ہیں، یہ کریں گے تو ہم واقعتاً امتی ہیں۔ کیونکہ امت اسی کام کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ آگے ارشاد ہوا! (وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لِّلْهٰمِ) اور اگر

اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ (مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ  
 الْفَاسِقُونَ) ان میں سے کچھ ایمان والے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔  
 یہاں اہل کتاب کا بھی ذکر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس امت جس میں اس نے  
 پیدا فرمایا اس کے خیر امت ہونے والے پہلو کو اس تناظر میں سامنے رکھنے کی توفیق عطا  
 فرمائے کہ ہم ذمہ داریاں ادا کرنے والے بن جائیں۔ خود نیک بننا، نیکی کی دعوت دینا،  
 بدی سے بچنا، بدی کو مٹانے کی کوشش کرنا، اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کرنا  
 شروع کر دیں۔ تاکہ منکرات کا خاتمہ ہو اور فرائض و واجبات پر عمل ہو تب واقعتاً ہم امتی  
 ہوں گے اور تب روز قیامت ان شاء اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ہمیں میسر  
 آئے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو، ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

# درس نمبر 14

(سورة الحجرات: کی آیت نمبر 13)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا  
وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ سورة الحجرات کی آیت نمبر 13 ہے۔ تمام انسانوں کا خالق ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ، تمام انسانوں کے اولین والدین آدم و حوا علیہما السلام ہیں، اس ناطے سے سارے انسان برابر ہیں۔ البتہ کنبے، قبیلے، خاندانوں میں جو اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرمایا ہے۔ وہ ہمارے آپس کے تعارف کے لیے ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں مقام اس کا بلند ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو۔ یہ موضوعات ہیں جو اس آیت کریمہ میں آرہے ہیں۔ سورة الحجرات کی آیت نمبر 13 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے! ”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے“ یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سب کا خالق ہے اور سب کے اولین والدین آدم و حوا علیہما السلام ہیں۔ اس ناطے، ایک عالمگیر برادری، ایک Universal Brotherhood قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ دو بڑی مضبوط بنیادیں ہیں ورنہ سب کے رنگ، نسل، زبانیں، خطے، مذاہب

الگ الگ ہیں لیکن سارے انسانوں میں دو باتیں مشترک ہیں۔ سب کا خالق ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور سب کے اولین والدین آدم و حوا علیہما السلام۔ تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم باہم تعارف حاصل کر لو۔

اقوام کی بھی خصوصیات ہوا کرتی ہیں اور خطّوں کی بھی، یہ افریقن ہے، یہ چائینز ہے، یہ جرمن ہے، تو دیکھ کر ہی کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ کچھ خاص رنگ اور ذات پات والے لوگوں کو دیکھ کر ان کی خصوصیات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی گورے رنگ میں پیدا ہو گیا اور کوئی سیاہ رنگ میں تو کسی کا کمال اور کسی کی تذلیل کی باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ یہ سب تو اللہ پاک کی تخلیق ہے۔ یہ تخلیق میں فرق کس مقصد کے لیے ہے ”لِتَعَارَفُوا“ تعارف اور پہچان کے لیے۔ سب کی شکلیں ایک جیسی ہوتیں تو کتنی بوریٹ ہو جاتی۔ علاقوں کے اعتبار سے رنگت کا فرق ہونا، زبانوں کا فرق ہونا، اس میں تو ایک رنگارنگی اور حُسن ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رکھا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی عظمت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ زبانیں کس قدر ہیں، لہجے کس قدر ہیں، رنگتیں کس قدر ہیں، اللہ اکبر! تو یہ سب کیا ہیں؟ کنبوں، قبیلوں کی تقسیم، خاندانوں اور برادریوں کی تقسیم تعارف کے لیے، اس کی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ کا معاملہ نہ ہو، یہ اونچی ذات کا، یہ نچلی ذات کا، یہ تو انسانیت کی تذلیل والا پہلو ہے۔ یہ سیاہ رنگ والا ہے تو یہ گھٹیا ہے اور یہ سفید (White) رنگ والا ہے تو یہ اعلیٰ ہے، یہ تمام گھٹیا باتیں تعصبات کا نتیجہ ہیں۔

آج بھی دنیا میں جمہوریت اور سیکولرازم کے چیمپئن قرار دیے جانے والے امریکہ جیسے ملک نے کیا کچھ نہ کر کے دکھا دیا۔ پچھلے امریکی صدر ٹرمپ کے دور حکومت میں کس طرح کا تعصب دنیا کے سامنے آیا۔ بھارت جو کہ جمہوریت کا بہت بڑا چیمپئن بنتا ہے وہاں آج بھی مختلف ذاتوں میں، اونچ اور نیچ کا فرق ختم نہ ہو سکا، ان سب باتوں نے انسانیت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے! ”بے شک اللہ تعالیٰ

کی نگاہوں میں تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔“ یہ ہے وہ خوبصورت تعلیم جو ہمیں دی گئی ہے جہاں پر بندے کے پاس اختیار ہے۔

کوئی کالا پیدا ہوا تو کوئی گورا پیدا ہوا، کوئی کسی علاقے میں تو کوئی کسی علاقے میں پیدا ہوا، اس میں کسی انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بنیاد پر لوگوں کی نہ کوئی پکڑ ہے اور نہ ہی کوئی عذاب یا ثواب کا معاملہ۔ لیکن اختیار اللہ تعالیٰ نے عمل کے میدان میں دیا ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو، خوفِ خدا رکھنے والا ہو، گناہوں سے بچنے والا ہو، خیر کے امور میں آگے بڑھنے والا ہو، اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والا ہو۔ جس کسی میں تقویٰ ہوگا اس کا مقام اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں بلند ہے۔ آج دنیا کے معیارات کیا ہیں؟ خوبصورت ہونا چاہیے، مال والا ہونا چاہیے، دولت والا ہونا چاہیے، سردار ہونا چاہیے، یہ سب کچھ تو ابولہب کے پاس بھی تھا مگر، ایمان نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا! (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ) (سورة اللہب) اور حضرت بلال حبشیؓ سیاہ فام ہیں۔ حبشہ کے ہیں، آزاد کردہ غلام، خاندان کا پتہ نہیں، مال و دولت کچھ نہیں، چودھراہٹ، کرسی و اقتدار کچھ نہیں۔ مگر ایمان ہے تو حضرت بلال حبشیؓ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا بلالؓ پکارتے ہیں ”سیدنا بلال“ ہمارے آقا بلالؓ آگئے، معراج کی شب ان کے قدموں کی آواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سنی ہے۔ اللہ اکبر کس بنیاد پر؟ تقویٰ ہے ان کے پاس، ہم بھی اپنے معاشرے کے معیارات کو دیکھ لیں، بلڈنگیں زیادہ ہیں، پلازے زیادہ ہیں، جائیدادیں زیادہ ہیں، بینک بیلنس زیادہ ہے، کرسی ہے، منصب ہے، ہم انہی بنیادوں پر کسی کو اہمیت دیتے ہیں چاہے وہ ایک نمبر کا جھوٹا، دغا باز، مکار اور حرام کمانے والا لوٹ مار کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ عام طور پر آج ہمیں ایسی ہی صورتحال سے واسطہ درپیش ہے۔ کتنے ہی اللہ والے، دین دار ہوتے ہیں، نیک بندے ہوتے ہیں لیکن ہم ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ دنیا پرستوں کا معیار

ہے۔ اللہ کا معیار کیا ہے؟ ”بے شک اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے“ آج دنیا کے اندر گورے اور کالے کا فرق نہ مٹ سکا جس کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل درپیش ہیں۔ آج معاشرے کی روایت یہ بن گئی ہے کہ اگر پیسے والا ہے تو وہ اچھا اور اونچا ہے، وہ گلے کاٹ کر بھی پیسہ کمائے گا کیوں کہ معاشرہ، معاشرتی انتشار اور بگاڑ کا شکار ہے۔

اس کے برعکس معاشرے میں قدر ان کی ہونی چاہیے جن کا کردار اچھا ہو، معاشرے میں قدر ان کی ہونی چاہیے جن کی اقدار Values اچھی ہوں، کیا ہی اچھا ہو کہ معاشرے میں قدر ان کی ہو جن میں تقویٰ ہو تو پھر معاشرے کا رخ کیا ہوگا؟ سب نیکی میں آگے بڑھیں گے۔ سب خیر میں آگے بڑھیں گے۔ (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ) بے شک اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔ یہی بات تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمائی کہ! ”کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے“ ”إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ ”بے شک اللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا خوب خبر رکھنے والا جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہم سب کو اپنے منتخب بندوں میں شامل فرمائے۔  
آمین یا رب العالمین!

# درس نمبر 15

(سورة الفرقان: آیت نمبر 30)

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾

ترجمہ: ”اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔“

آج کی آیت کے حوالے سے سورة الفرقان کی آیت نمبر 30 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شکایت کا ذکر ہے۔ جو ان لوگوں کے خلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کریں گے، جنہوں نے قرآن حکیم کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر پس پشت ڈال دیا تھا۔ سورة الفرقان کی آیت نمبر 30 میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا! ”اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بطور شکایت اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے میرے رب! بیشک میری اس قوم نے اس قرآن کریم کو ترک کر دیا تھا۔“

”مہجوراً“ کے بارے میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ایک ایسی شے جس کو آدمی قابل التفات نہ سمجھے، اہمیت نہ دے، مفید نہ سمجھے، اپنے لئے لازم نہ سمجھے اپنے آپ کو اس کیلئے ضرورت مند محسوس نہ کرے اور اس کو نظر انداز کر دے تو اس کے لیے ”مہجوراً“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت ہے۔ اولاً تو یہاں مراد مشرکین اور کفار ہیں کہ جنہوں نے قرآن کریم کی دعوت کو رد کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں ذکر آ رہا ہے۔ البتہ مفسرین نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ ہم مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ شکایت ہمارے خلاف بھی نہ ہو جائے۔ قرآن کریم پر کوئی ایمان نہ لائے تو یہ بھی قرآن حکیم کا پس پشت ڈال دینا ہے۔ نظر انداز کر دینا ہے۔ کوئی قرآن پاک کی تلاوت درست

طریقے پر نہ کر سکتا ہو اور اسکی باقاعدہ صحیح طریقے سے تلاوت کرنے کی کوشش بھی نہ کرتا ہو، یہ بھی قرآن کریم کو نظر انداز کر دینا ہے۔ کوئی قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے تو یہ بھی قرآن حکیم کو نظر انداز کر دینا ہے۔ کوئی قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ بھی قرآن حکیم کو نظر انداز کر دینا ہے۔ پس پشت ڈال دینا ہے۔ کوئی قرآن کریم کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش نہ کرے یہ بھی قرآن کریم کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ ہم مسلمانوں پر قرآن مجید کے پانچ (5) حقوق عائد ہوتے ہیں۔

- (1) قرآن حکیم پر ایمان لانا۔
- (2) قرآن حکیم کی باقاعدہ تلاوت کرنا۔
- (3) قرآن حکیم کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔
- (4) قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرنا اور ان احکامات کے نفاذ کی جدوجہد کرنا۔
- (5) قرآن کریم کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا۔

اگر ہم یہ حقوق ادا کر رہے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ قرآن کریم بھی ہمارے حق میں سفارش کرنے والا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ہمیں میسر آئے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ اگر قرآن کریم کو پس پشت ڈالا ہوا ہے یا نظر انداز کیا ہوا ہے۔ اس پر دل کی گہرائیوں سے ایمان نہیں یا اس کی تلاوت کا اہتمام نہیں۔ اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرنے کی محنت نہیں۔ اس کے احکام کے نفاذ کی جدوجہد نہیں تو اسکا مطلب ہے کہ اس کے پیغام کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔

لہذا ڈرنا چاہیے کہ کہیں کل اللہ کے رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے خلاف شکایت لے کر کھڑے نہ ہو جائیں۔ جس کے خلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شکایت لے کر کھڑے ہو جائیں تو اندازہ کیجیے کون اس کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکے گا۔ ہم بھی اپنے شب و روز کے معمولات کو دیکھیں کہ کتنا وقت قرآن پاک کے لیے ہم مختص کرتے ہیں اور معین کرتے

ہیں؟ کیا واقعتاً اس پر ہمارا دل سے ایمان ہے؟ کیا قرآن پاک کی باقاعدہ تلاوت کی پوری زندگی میں ہم اہتمام کر رہے ہیں؟ کیا ہمیں اس کو سمجھنے کا موقع مل رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ اور کن باتوں سے منع فرماتا ہے؟ کیا ہم یہ باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کیا ہم قرآن پاک کے احکامات پر عمل کی کوشش کر رہے ہیں؟ جو احکامات مجھ سے اور آپ سے فوراً متعلق ہیں۔ نماز ادا کرو، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، ان پر تو فوراً عمل کرنا ہے۔ اور جو احکامات اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں ان کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے۔ کیا ہم یہ جدوجہد کر رہے ہیں؟ اور ختم نبوت کی وجہ سے انسانیت تک اللہ کا پیغام پہنچانا، قرآن پاک کی دعوت کو پہنچانا یہ فرض اب ہمارے کاندھوں پر ہے۔ کیا ہم یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ یہ بہت بڑا معاملہ ہے کہ اگر قرآن پاک کو نظر انداز کر دیا گیا اسے پس پشت ڈال دیا گیا اس سے بے اعتنائی برتی گئی اور اس سے تعلق کی مضبوطی کا اہتمام نہیں کیا جا رہا تو ہمیں ڈرنا چاہیے کہ کل کہیں اللہ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکایت لے کر ہمارے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شکایت سے ہمیں بچائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی شفاعت نصیب فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 16

(سورۃ النور: آیت نمبر 19)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے قرآن کریم میں سے سورۃ النور کی آیت نمبر 19 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر وہ لوگ کہ جو بے حیائی پھیلاتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں عذاب کی دھمکی ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر 19 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! ”بے شک وہ لوگ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان میں بے حیائی پھیلائیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

پس منظر میں ”واقعہ افاک“ بیان ہوا ہے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اور ان کی پاک دامنی پر معاذ اللہ اعتراض کیا گیا تھا اور تہمت لگائی گئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں بہت تفصیل سے ان کی عفت اور پاک دامنی کا اظہار فرمایا اور ان کی برأت کا اعلان کیا۔ صرف ایک بات تہمت والی زبان پر آئی ہے اور کچھ لوگوں کی زبانوں سے دوسروں تک پہنچی ہے جس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو لوگ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اندازہ کیجیے کسی برائی کا معاملہ نہیں ہوا۔ ایک جھوٹی تہمت لگائی ہے۔ اور وہ تہمت

زبانوں سے ہوتی ہوئی دوسروں تک پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتا تو پھر جہاں کسی معاشرے میں زنا کی دعوت دی جا رہی ہو، بے حیائی، فحاشی اور عریانی کی دعوت دی جا رہی ہو بے پردگی کے معاملات چل رہے ہوں، عورت کو کھلونا بنا کر پیش کیا جاتا ہو۔ مردوں کو یہ احساس ہی نہ رہے کہ انہیں اپنی نگاہوں کی حفاظت کرنی ہے۔ عورتوں کو بھی اپنی شرم و حیا کی حفاظت کا احساس نہ رہے۔

آج میڈیا پر بیٹھ کر کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ فلمیں، ڈرامے، ناچ گانے، اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر عورت اور مرد کا آزاد نہ اختلاط۔ یہ سب کچھ زبان زدِ عام بھی ہو رہا ہے اور دکھایا بھی جا رہا ہے۔ اور مملکتِ خدادادِ پاکستان میں یہ معاملہ ہو رہا ہے۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) ایک تہمت زبان پر آئی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ جو بات پھیلائی جا رہی ہے دنیا اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تو جہاں زنا کی دعوتیں، گناہ کی دعوتیں، بے حیائی کی دعوتیں، فحاشی و عریانی کی باتیں زبان زدِ عام ہو رہی ہوں اور Billboards کے اوپر Advertisement کے نام پر، Marketing کے نام پر فلموں اور ڈراموں کے نام پر اور شو بزم کے نام پر، فلم انڈسٹری کے نام پر اور انفرادی نجی محافل کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کتنا غضب ناک ہوتا ہوگا۔ گھروں کے اندر سکریں پر کیا کچھ نہیں چل رہا۔ اس چیز کی اجازت گھر کا سربراہ خود دیتا ہے۔ گھر والے اپنی آزاد مرضی Free Will سے وہ دیکھتے ہیں اور خود ان چیزوں کو گھر میں دیکھنے کی گنجائش دی جا رہی ہے۔ کیا یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ”دیوث“ ہے یعنی انتہائی بے غیرت شخص ہے۔ یہ کہا ہے اُس شخص کو کہ جس کی گھر کی خواتین بے پردہ گھومتی ہوں۔ آج ہم اپنے گھرانوں کو دیکھیں کیا اماں عائشہ صدیقہؓ یا بی بی فاطمہ الزہراءؓ کا لباس اور ان کی چادر آج ہمارے گھرانوں کی خواتین کے لیے رول ماڈل ہے اور آئیڈیل ہے؟ آج ہمارے ہاں بیٹیوں کا لباس (Dress) کیسا ہے؟ اندازہ کر لیجیے گا۔ اس سے کیا کچھ جذبات جنم نہیں

لیتے؟ میڈیا کی سکرین پر جو کچھ دکھایا جا رہا ہے کیا اُس سے لوگوں کے جذبات نہیں بھڑکتے۔ اور پھر کہاں جا کر ان جذبات کو پورا کیا جاتا ہے اور ان خواہشات کی تکمیل ناجائز طریقے پر کی جاتی ہے۔ پھر ریپ کے کیس بھی بڑھتے ہیں۔ بچوں اور بچیوں کے ساتھ زیادتیاں ہوتی ہیں۔ پھر میڈیا رونا دھونا مچاتا ہے کہ صاحب یہ زیادتی کے معاملات ہو گئے۔ یہ سارا عمل کہاں سے شروع ہوا۔ یہ فحاشی پھیلانے والوں کو سہولتیں کون فراہم کر رہا ہے؟ یہ فحاشی پھیلانے والوں کو تقویت کون دے رہا ہے۔ چاہے وہ وقت کے حکمران ہوں یا میڈیا ہاؤسز ہوں یا ہمارے گھروں کے اندر ان باتوں کی اجازت دی جا رہی ہو یہ جو کچھ پھیلا یا جا رہا ہے۔ فحاشی کا معاملہ، عریانی کا معاملہ، بے پردگی کا معاملہ اس سے زنا کے جذبات جنم لیتے ہیں اور معاملات روز بروز بُرائی کی طرف جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے! ”بے شک وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلے اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام واضح طور پر بے حیائی پھیلانے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کا ڈرا و اسنا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ہماری شرم و حیاء کی حفاظت فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں پردے کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرد ہو یا عورتیں اللہ تعالیٰ ہمیں زنا جیسے فتنے جرم اور وہ تمام امور جو زنا جیسے فتنے اور بدترین عمل کی طرف لے جانے والے ہیں ان سے ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 17

(سورة المؤمنون: آیت نمبر 51)

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۗ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اس سے باخبر ہوں۔“

آج کی آیت کے حوالہ سے سورة المؤمنون کی آیت نمبر 51 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے خطاب فرمایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق کے حصول اور اس کے استعمال کی ترغیب دلائی ہے۔ اصل میں تو رسولوں سے خطاب فرما کر لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رہنمائی فرما رہا ہے۔ سورة المؤمنون کا آیت نمبر 51 میں ارشاد ہوا! ”اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک بے شک تم جو کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے خطاب فرمایا اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھانے کا حکم دیا۔ قرآن حلال کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے اور قرآن پاک میں طیب کا لفظ بھی آتا ہے۔ جو اشیاء استعمال کی جا رہی ہوں وہ از خود بھی حلال اور ان کے حصول کا طریقہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ حلال اور طیب ان دونوں کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس حرام سے ہمارے دین نے ہمیں روکا ہے۔ یہاں رسولوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک۔

بعض اہل علم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ جب بندہ پاکیزہ و طیب اور حلال اشیاء استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو نیک اعمال کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے۔ مال حرام اگر وجود میں جائے تو بندہ سرکشی، گناہ اور نافرمانی کی طرف بڑھتا

ہے۔ حلال و طیب اشیاء اگر وجود میں جائیں تو بندہ خیر میں، نیکی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں آگے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حلال پر اکتفا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حرام کی ہر شکل سے اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ یہی آیت کریمہ ہے جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا! کہ جو حکم اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو عطا فرمایا وہی حکم اے ایمان والو! تمہارے لئے بھی ہے اور پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ جو دو دروازے کا سفر کر کے آیا ہے اور اس کے چہرے پر سفر کے اثرات بھی ہیں اس کے لباس پر مٹی ہے چہرے اور بالوں پر مٹی ہے اور وہ ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہا ہے۔ شارحین حدیث نے یہ بات ذکر کی ہے کہ عرفات کا میدان ہے یا خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں! اس کی دعا کیسے قبول ہوگی جبکہ اس کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کی پرورش حرام سے ہوئی۔

معلوم ہوا اعمال کی قبولیت اور دعاؤں کی قبولیت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مال حرام ہے۔ مال حرام تو جہنم کے انگارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب سے میری اور آپ کی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ ہم بھی اپنے گھروں میں جائزہ لے لیں کہ آیا جو کچھ آرہا وہ حلال کا آرہا ہے یا معاذ اللہ حرام کا۔ حرام مال سے تو کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اس حرام مال کی وجہ سے بندہ کی عبادات بھی قبول نہیں ہوتیں۔ حرام مال سے دیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا، حرام مال سے پلا ہوا جسم بھی جہنم کا مستحق ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ تمام باتیں احادیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں۔

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک اور بیشک جو تم کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کون حلال کے ذریعے کما رہا ہے اور کون حرام ذریعے سے کما رہا ہے۔ ہاں کچھ لوگ جھوٹ بول کر وعدہ خلافی کر کے، دھوکہ Cheating دے کر مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور اپنی دانست میں سمجھتے

ہیں کسی کو معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو خوب معلوم ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن ہر ایک معاملے سے واقف ہے اور خوب واقف ہے۔ فرمایا جا رہا ہے! ”بے شک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں“۔ اللہ تعالیٰ حرام سے ہمیں بچائے اور حلال پر اکتفا کرنے توفیق عطا فرمائے۔ تو رزقِ حلال اور طیب پر بندہ اکتفا کرے تو یہ خود اپنی جگہ ایک بہت بڑا عبادت کا عمل ہے، اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

# درس نمبر 18

(سورة التحريم: آیت نمبر 6)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا  
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ  
مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا  
ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔ اس پر بڑے تند خو، بہت سخت دل فرشتے مامور  
ہیں اللہ ان کو جو حکم دے گا وہ فرشتے اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی  
کریں گے جس کا انہیں حکم دیا جائے گا۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورة التحريم کی آیت نمبر 6 کا انتخاب کیا  
ہے۔ گھر کے سربراہ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں البتہ از روئے قرآن گھر کے  
سربراہ کی اہم ترین ذمہ داری کیا ہے؟ اس اہم ترین ذمہ داری کا ذکر ہے جو اس آیت  
میں آرہا ہے کہ مرد خواہ شوہر کی حیثیت میں ہو یا باپ کی حیثیت میں، بطورِ خاندان کے  
سربراہ کے، اس کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو  
جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر اور کوشش کرے۔ ارشاد ہوا! سورة التحريم کی آیت نمبر 6  
میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ ”اے وہ لوگو جو ایمان  
لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ“ ﴿وَقُودُهَا النَّاسُ  
وَالْحِجَارَةُ﴾ ”جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں“ ﴿عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ  
لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ ”اس پر بڑے سخت مزاج زور آور قسم کے فرشتے معین  
ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جو بھی حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے“ ﴿وَيَفْعَلُونَ مَا

يَوْمَ مَرُّونَ﴾ ”اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“ ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ وہ جہنم جو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے (استغفر اللہ) اور جس کے تصور سے انسان کانپ کر رہ جاتا ہے (اللہ اکبر)۔

جا بجا قرآن حکیم میں جہنم کے عذابوں کا ذکر آتا ہے۔ کبھی قرآن کہتا ہے کہ ان کے اوپر بھی آگ، ان کے نیچے بھی آگ، کبھی قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان کو زنجیروں سے باندھا جائے گا۔ کبھی قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ان کو ستونوں سے باندھا جائے گا۔ کبھی قرآن کریم فرماتا ہے کہ کانٹے دار جھاڑیاں ان کو کھانا پڑیں گی، کہیں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ کھولتا ہوا پانی جہنمیوں کو پینے کے لیے دیا جائے گا، کہیں فرماتا ہے کہ ان کو تھوڑے مارے جائیں گے، کبھی قرآن حکیم فرماتا ہے کہ زخموں کی پیپ ان کو پینا پڑے گی۔ کبھی قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی کھال جلے گی اور پھر ان کی کھالیں بار بار تبدیل کی جائیں گی تاکہ وہ مستقل عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

ہم تو اپنی اور کسی اور کی یا اپنے گھر والوں کی انگلی کو بھی چولہے کی آگ میں جلتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ انسان تو بڑی بات ہے، ہم تو ایک جانور کو بھی خواہ وہ کتنا ہو یا بلی، اس کو بھی آگ میں جلتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ تو ظاہری بات ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے پیاروں کے بارے میں ہم بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں۔ آج ہم اپنے گھر والوں کو دنیا کی گرمی سے بچانے کیلئے کتنا جتن کرتے ہیں؟ لیکن ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے بارے میں ہم کتنے فکر مند ہیں؟ اس اہم ترین ذمہ داری کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ دلا رہے ہیں۔ ایک عظیم اکثریت اس بات کو بھلا دیتی ہے۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ بچوں کے کپڑوں کا خیال رکھو، بچوں کے کھانے پینے کا خیال رکھو، سکول کا خیال رکھو، بیمار ہو جائے تو دوا دارو کا انتظام کرو۔ کیوں! اس کی یاد دہانی کی ضرورت نہیں۔ یہ سارے کام تو ہر شخص کر رہا ہے۔ مسلمان کا فرسب ہی کر رہے ہیں مگر جس اہم ترین ذمہ

داری کو ایک عظیم اکثریت فراموش کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے بارے میں بتا رہا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ وہ جہنم جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ پتھروں سے مراد یا تو پتھر کا کوئلہ ہے جس کی حرارت کی شدت بھی زیادہ ہوتی ہے یا پھر مراد وہ بت ہیں جن بتوں کی پوجا پاٹ کی گئی تھی ان بتوں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان کی پوجا پاٹ کرنے والوں کی ذلت میں اور اضافہ کیا جائے گا۔

آگے فرمایا کہ اس پر بڑے سخت مزاج زور آور قسم کے فرشتے مقرر ہیں ان کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم بھی دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ان فرشتوں میں نرمی کا کوئی مادہ سرے سے ہی نہیں۔ ان کا کام ہی جہنم والوں کو عذاب دینا ہوگا اور اس میں وہ کوئی کمی نہیں کریں گے (اللَّهُمَّ اجِرْنَا مِنَ النَّارِ) اے اللہ ہم سب کو آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ ہم جو اپنے بچے کی انگلی بھی چولہے کی آگ میں جلنا گوارا نہیں کر سکتے۔ کبھی سوچیں اس بارے میں اگر ہم میں سے کوئی جہنم کی آگ کا نوالہ بن جائے تو کیا حشر ہو جائے گا اللہ اکبر! آج ہمارے گھروں میں کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم کا اہتمام ہے؟ کیا ہم فکر مند ہیں کہ ہم اور ہمارا گھرانہ جنت میں داخل ہو اور جہنم سے بچا لیا جائے کیا اس بات کی فکر ہے؟

ہم اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر کرتے ہیں جبکہ سب سے بڑا مستقبل تو آخرت کا ہے۔ لوگوں کو بڑی فکر ہے میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ کبھی ہم نے سوچا ہمارے بچوں کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا۔ کل ہم کہاں ہوں گے، ہمارے بچے کہاں ہوں گے؟ کیا ہم جنت میں ہوں گے؟ کیا ہمارا گھرانہ ایک جنتی گھرانہ ہوگا؟ کیا ہمارے گھر والے ہمیشہ کے گھر یعنی جنت میں ہمارے ساتھ ہوں گے؟ ہمیں اس کے لئے محنت کرنی ہے خود دین سیکھنا اور گھر والوں کو سکھانا ہے۔ دین کے ماحول

سے جوڑنے کی کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے جوڑنے کی کوشش کرنی ہے۔ کیا آج میری اور آپ کی ترجیح اول یہی ہے؟ کہ میں اور میرا گھر جہنم سے بچا لیا جائے اور میرے گھر کے تمام افراد جنت میں داخل کر دیئے جائیں۔ کیا یہ میری اور آپ کی فکر ہے؟ اگر اولاد کو نیک بنایا جائے تو وہ صدقہ جاریہ ہے، حدیث مبارک کے مطابق بیوی اگر نیک ہے تو ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور گھر میں ایمان کی آبیاری ہو، گھر میں نیکیوں کی بات کی جا رہی ہو، گھر میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو، گھر میں دین پر عمل کرنے کی بات چیت ہو رہی ہو تو کتنا خوبصورت نقشہ ہوگا جب اس پورے گھرانے کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا۔

(اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ الْفَرْدَوْسَ) اے اللہ ہم تجھ سے جنت الفردوس کا سوال کرتے ہیں۔ اور اے اللہ ہم سب کو آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 19

(سورة الاحزاب: آیت نمبر 21)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ  
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

ترجمہ: ”(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک بہترین نمونہ ہے (یہ اسوہ ہے) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کا ہم نے انتخاب کیا ہے، وہ سورة الاحزاب کی آیت نمبر 21 ہے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے حوالے سے قرآن مجید کی بہت معروف آیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے“ ﴿لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ ”اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔“ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا معاملہ، آخرت کے دن کی پیشی کے معاملہ کا اسے یقین ہو ﴿وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ ”اور کثرت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر کرے۔“ یہاں پر معروف بات ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا ذکر ہے البتہ اس آیت کریمہ کے سیاق و سباق Context کو اور اس میں بیان کردہ شرط کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے آخری رسول کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ان کی زندگی کو ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دیا یہ تمام امور کے اعتبار سے ہے۔

عبادات کا معاملہ ہو یا اخلاقیات کا، معاملات کا معاملہ ہو یا حقوق کا، زندگی کے انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات، زندگی کے تمام گوشوں کے لیے نبی

کریم ﷺ کی ذات بابرکات میں بہترین اسوہ حسنہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمادیا۔ نبی اکرم ﷺ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل بہت قیمتی ہے۔ آپ ﷺ کے روزمرہ کے آداب ہوں یا سونے جاگنے کے آداب، پانی پینے کے آداب ہوں یا آپ ﷺ کی نشست و برخاست کے معاملات۔ آپ ﷺ نے خوشی کس طرح منائی، آپ ﷺ نے غم کے موقع کے لیے اپنی امت کی کیا رہنمائی کی۔ ہر ہر ادا نبی اکرم ﷺ کی قیمتی ہے البتہ اس آیت کریمہ سے قبل کی آیات اور اس کے بعد کی آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں غزوہ احزاب، یعنی غزوہ خندق کا تذکرہ آرہا ہے کہ جس موقع پر سارے عرب سے ایک بہت بڑا لشکر یکجا ہو کر آگیا اور مسلمانوں کا مدینہ شریف میں محاصرہ ہو گیا اس دوران اللہ کے نبی اکرم ﷺ نے مشورہ فرمانے کے بعد یہ طے فرمایا کہ خندق میں کھود کر مدینہ شریف کا دفاع کیا جائے۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے مشورہ فرمانے کے بعد صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ خندق کھودنے کے عمل میں خود بھی مصروف رہے اور اپنے صحابہ کرام کی طرح خود بھی مشقتوں کو جھیلا۔ آپ نے بھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھے۔ یہ ساری مشقتیں خود حضور ﷺ نے بھی جھیلیں، اس سیاق و سباق Context میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے“ یہ بہت اہم نکتہ ہے سمجھنے کا کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ غزوہ احزاب کے موقع پر بھی کھڑے ہیں ساری مشقتیں بھی آپ نے جھیلیں ہیں کدال بھی آپ نے چلائی ہے، خندقیں بھی آپ نے کھودی ہیں، اللہ اکبر! صحابہ نے جو مشقتیں جھیلیں وہ آپ نے بھی جھیلیں۔ ایک صحابی عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! میں نے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے تاکہ میں بھوک کو دبا سکوں اور برداشت کر سکوں، حضور ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا وہاں دو پتھر بندے ہوئے ہیں، اللہ اکبر! اس واقعے کو بیان کرنے سے مراد ہے کہ حضور ﷺ کسی سے پیچھے نہیں بلکہ آپ ﷺ سب سے آگے بڑھ کر ہیں۔ گویا 23 برس کی جدوجہد کے دوران غزوہ

احزاب کا موقع بھی آیا ہے۔ اور اس غزوہ احزاب پر اللہ تعالیٰ کا یہ تبصرہ ہے اور اس تبصرے کے دوران یہ آیت کریمہ آ رہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت قیمتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا قیمتی ہے، مسواک کرنا بھی قیمتی ہے، خوشبو لگانا بھی قیمتی ہے، ہر ہر ادا قیمتی ہے، البتہ کبھی طائف کی گلیوں میں جا کر بھی مسواک کرنا پڑے گی، کبھی اُحد کے میدان میں جا کر بھی خوشبو لگانا پڑے گی، یہ تصور آج امت کے ذہنوں سے محو ہو گیا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے اس سارے سیاق و سباق میں ساری جدوجہد کو سامنے رکھو تو تمہارے لیے بہترین نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے  
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اب اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی دعوت اور اس کے دین کی سر بلندی کی جدوجہد ہم سب مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ یہ ہے جو اس آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ ﴿لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ ”جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو“، کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے ”اور وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا بھی ہو۔“ مراد ہے کہ محض دعویٰ کافی نہیں، جسے کل کا یقین ہوگا، کل کی پیشی کا یقین ہوگا، کل کی حاضری کا یقین ہوگا وہ اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرے گا صرف وہی اسوہ حسنہ سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ جب بارش برستی ہے تو جو چاہے فائدہ اٹھالے اور جو برتن کو اُلٹا کر کے رکھ دے، اس کو پانی نہیں ملے گا، اسوہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین ہے مگر جس کے پیش نظر آخرت کی جوابدہی کا احساس ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے گا، اس کو اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام امور، انفرادی و اجتماعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 20

(سورة الحجرات: آیت نمبر 11)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا  
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ  
وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ  
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ (اسی طرح) عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور اپنے آپ کو عیب مت لگاؤ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے چڑانے والے نام رکھا کرو۔ ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے۔ اور جو باز نہیں آئیں گے وہی تو ظالم ہیں۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ سورة الحجرات کی آیت نمبر 11 ہے۔ یہاں معاشرتی حوالے سے رہنمائی عطا کی گئی ہے اور کچھ مجلسی برائیاں جو دوسروں کی موجودگی میں کی جاتی ہیں، ان میں سے تین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہ برائیاں ہیں جو دلوں کو پھاڑ دیتی ہیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔ ان سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو“ ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ”مرد، مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، عین ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں“ ﴿وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ﴾ ”اور نہ عورتیں، عورتوں کا مذاق اڑائیں“ ﴿عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ”عین ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا

جارہا ہے وہ مذاق اڑانے والی عورتوں سے بہتر ہوں۔“

پہلی ہدایت جو دی جا رہی ہے کہ مذاق نہ اڑایا جائے، ایک ہے مذاق کرنا، جس میں جھوٹ نہ ہو، کسی کی تحقیر نہ ہو، لائٹ موڈ میں کوئی گفتگو ہو جائے جو مخاطب کو بُری محسوس نہ ہو۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن ہمارے ہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں جھوٹ سے سلسلہ شروع ہوتا ہے، تذلیل پر ختم ہوتا ہے، حقارت سے دیکھنے پر ختم ہوتا ہے، کسی مسلمان کی تذلیل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنا حرام ہے۔ مردوں کا ذکر علیحدہ ہے اور عورتوں کا ذکر علیحدہ ہے۔ کیونکہ دین نے ہمیں جو مزاج عطا کیا ہے اس میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی اس میں اور بھی تفصیلات ہیں۔ کبھی کسی کی شکل و صورت کا، کبھی کسی کے لباس کا، کبھی کسی کی مالی کمزوری کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان تمام معاملات کے حوالے سے یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ ان تمام کیفیات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو رکھا ہے۔ اب مذاق اڑانے میں یا کسی کو حقیر ثابت کرنے میں گویا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتراض کر رہا ہے۔ یہ تو جرم سے بھی بڑھ کر مزید بڑا جرم کرنے والی بات ہے۔ اس سے دل پھٹ جاتے ہیں اور برسوں کے رشتے اور تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کا حل وہی ہے جو انگریزی کی ایک کہاوت میں بیان ہوا ہے کہ *Nip the evil in the bud* برائی کو پنپنے سے پہلے جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ لہذا ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ ایسا مذاق جس میں تحقیر کا پہلو ہوتا ہے جس میں دوسرے کی تذلیل کا پہلو ہوتا ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری معاشرتی برائی کے حوالے سے تذکرہ آ رہا ہے کہ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا  
أَنفُسَكُمْ﴾ ”اور اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ“ یہ تو بہت عجیب ترجمہ لگ رہا ہے! اصل میں تو بندہ دوسرے میں عیب نکالتا ہے، دوسرے پر لعن طعن کرتا ہے لیکن اپنے مسلمان بھائی میں عیب نکالنا، اپنے مسلمان بھائی پر لعن طعن کرنا دراصل اپنے آپ کو ہی عیب لگانے کے مترادف ہے کیوں؟ احادیث مبارکہ کے مطابق یہ امت ایک جسد واحد کی مانند ہے

یہ امت ایک عمارت کی مانند ہے آج اگر میں اپنے مسلمان بھائی پہ عیب لگاتا ہوں یا لعن طعن کرتا ہوں، نکتہ چینی کرتا ہوں، اور ”لمز“ کا یہ مطلب بھی ہے کہ کسی پر پھبتی چُست کی جائے، جُگت بازی کی جائے، گویا ان سب باتوں کے نتیجے میں، میں اپنا ہی نقصان کر رہا ہوں تو فرمایا گیا ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ۔“ اس میں عیب لگانا، نکتہ چینی کرنا، لعن طعن کرنا، دوسرے کو طیش میں لانے کی کوشش کرنا یہ سب گھٹیا حرکتیں اس میں شامل ہے۔ یہ بھی مسلمان بھائی کی عزت سے کھیلنے کے مترادف ہے جو کہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے فقرے چست کرنے کے نتیجے میں، گفتگو کے نتیجے میں دل پھٹتے ہیں اور مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے یہ دوسری برائی ہے جس سے روکا گیا۔

تیسری برائی کے بارے میں فرمایا گیا ہے! ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ ”اور باہم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔“ یعنی کسی کا نام بگاڑ دینا یا کسی کا چڑانے والے نام رکھنے کی کوشش کرنا کسی کی معذوری کا معاملہ ہو یا کسی کا کوئی خاص پروفیشن ہو یا ایسا کاروبار یا ایسی معاشی سرگرمی Activity کر رہا ہو جو کم آمدنی والا پروفیشن ہو مثلاً کہا جائے کہ یہ تو جھاڑو لگانے والا ہے، یہ جمعداروں والا کام کرتا ہے، یہ جو انداز ہو ا کرتا ہے اور یہ بُرے نام رکھ دیئے جاتے ہیں کبھی کسی کے ماضی پر لعن طعن کا معاملہ کیا جاتا ہے، ماضی کے کسی عیب کا ذکر کر کے اسے طیش دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کوئی کفر پر تھا اب وہ اسلام کی طرف آ گیا اس کے ماضی کے کفر کا اس کو طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مسلمان بھائی یا بہن کی تذلیل ہے یہ بھی اس کی حرمت سے کھیلنا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح ذوالحجہ کا مہینہ، عرفہ کا دن اور حد و حرم، جس طرح اس کی حرمت پامال کرنا تم پر حرام ہے اسی طرح تم پر ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت و آبرو سے کھیلنا بھی حرام ہے۔ فرمایا! ﴿بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ ”ایمان لانے کے بعد بُرے نام رکھنا یہ فسق کا معاملہ ہے۔“

اس کے دو پہلو بیان کیے گئے۔ ایک تو بندہ صاحب ایمان ہو اور دوسرے کے برے نام رکھے، اس کو چڑانے کی کوشش کرے۔ مؤمن کی ذات دوسروں کے لئے امن کا باعث ہوتی ہے اور ایک یہ کہ کوئی ماضی میں کفر کی طرف تھا اب اسلام کی طرف آ گیا اب اس کو کفر کا طعنہ دیتے ہو یا ماضی میں کوئی کسی گناہ میں مبتلا تھا اور اب اس نے توبہ کر لی تو تم اس کے گناہ کا اس کو طعنہ دیتے ہو بہت غلط بات ہے۔ ایمان کے بعد گناہ یہ برانام، یہ بڑا فسق کا معاملہ ہے، گناہ کی بات ہے، ایمان والا تو دوسروں کے لیے امن کا باعث بنتا ہے، سلامتی کا باعث بنتا ہے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ اور جو باز نہ آئیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔“

یہ ہدایات معاشرت کے لیے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو ان حرکتوں کو نہیں چھوڑتا ان مجلسی برائیوں سے باز نہیں آتا یہی لوگ ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ پس ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ایک دوسرے کی تحقیر نہ کرو، اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، لعن طعن نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے القاب یا برے نام نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ ان مجلسی برائیوں (مجلسی برائیوں سے مراد ایک دوسرے کی موجودگی میں سامنے بیٹھ کر جو یہ کام کیے جاتے ہیں) سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمارے دلوں کو جوڑے رکھے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 21

(سورة العنكبوت: آیت نمبر 69)

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ  
الْمُحْسِنِينَ﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔ اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے قرآن حکیم میں سے سورة العنكبوت کی آخری آیت نمبر 69 کا انتخاب کیا ہے اللہ رب العالمین نے یہاں بہت خوبصورت انداز میں اپنے بندوں کو ترغیب دلائی ہے کہ جو اس کی راہ میں جہاد کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرمادے گا۔ ارشاد ہوتا ہے سورة العنكبوت کی آخری آیت، آیت نمبر 69 میں ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت عطا فرمائیں گے اور بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں پر لفظ جہاد آیا ہے۔ یہ سورة العنكبوت کی سورة مبارکہ ہے۔ مکی سورتوں میں بھی جہاد کا لفظ آتا ہے اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے جہاد کا لفظ جہد سے ہے۔ جدوجہد کا لفظ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ محنت کرنا، کوشش کرنا، ہاں مدنی سورتوں میں مثال کے طور پر سورة التوبہ میں غزوة تبوک کے بیان کی روشنی میں جہاد کا لفظ جب فی سبیل اللہ کے ساتھ آتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ بھی مراد لیا گیا ہے۔ جبکہ جنگ کے لیے ہمیشہ قتال کا لفظ آتا ہے البتہ جہاد کا لفظ مسلسل بار بار کوشش کے لیے،

Struggle کے لیے، محنت کے لیے آتا ہے اور کبھی کبھی وہ جنگ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

یہ نکی سورۃ مبارکہ ہے اور اللہ تعالیٰ یہاں جہاد کے لفظ کو استعمال فرما رہا ہے۔ یہ ایک مستقل عنوان ہے محنت کا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کے لیے محنت کرنی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنے آپ کو کھپانا ہے۔ یہ جو گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے، نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا ہے، منکرات سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اب یہ سب محنت والے کام ہی تو ہیں، اللہ رب العالمین کے دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے، کیوں کہ ختم نبوت کے بعد اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری اب ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے اس کے لیے بھی محنت کرنی ہے۔ اس کے لیے بھی جدوجہد ہے۔ یہ ایک مستقل عمل ہے اور ہماری ایک مستقل ذمہ داری ہے۔ پھر اللہ رب العالمین کے عطا کردہ دین حق کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا، اقامت دین کے لئے محنت کرنا، نفاذ دین کے لئے محنت کرنا، یہ بھی ہمارے ذمہ فرض ہے ان تمام سطحوں پر اللہ کی بندگی کے لیے محنت، فرائض و واجبات ادا کرنے کے لیے محنت، حرام اور منکرات سے بچنے کے لیے محنت، اللہ کے دین کی دعوت کو عام کرنے کے لیے محنت، اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے جدوجہد اور محنت، ان ساری محنتوں کا جامع عنوان ہے ”جہاد فی سبیل اللہ“ فرمایا جا رہا ہے کہ ”اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے کوشش کریں گے محنت کریں گے ہم ضرور اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرمائیں گے“ یہ بڑا عجیب انداز ہے ترغیب و تشویق کا، اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ ایک ہے، کون سا بھلا؟ ﴿صراطِ مستقیم﴾ لیکن اللہ تعالیٰ بندے کو کہاں کہاں سے نصرت عطا فرمائے، کہاں کہاں سے اس کی مدد فرمائے، کہاں کہاں سے اس کے لئے راستے کھول دیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بہت سارے پہلو ہیں اللہ تعالیٰ کہاں کہاں سے مدد فرمائے وہی بہتر جانتا ہے۔

راستہ ایک ہے ”صراطِ مستقیم“ جو بندے کو اللہ کی طرف لے جانے والا ہے مگر اس راستے پر آنے اور اس پر چلنے کے لئے اللہ مختلف انداز سے بندے کی مدد فرماتا ہے۔ لہذا فرمایا جا رہا ہے کہ ”اور جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے محنت کریں گے Struggle کریں گے تو ہم ضرور اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرمادیں گے“۔ اب یہ بندے پر منحصر ہے کہ بندہ محنت کرتا ہے کہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی توشانِ کریمی ہی لا جواب ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے جو کہ حدیثِ قدسی ہے۔ ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ کسی مجلس میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ میرا بندہ ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو ایک ہاتھ بھر میں اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ ایک ہاتھ بھر میری طرف آتا ہے تو میں دو ہاتھ بھر اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔“ اللہ کی عطا میں کوئی کمی نہیں۔ مسئلہ ہمارا ہے؟ اللہ کی طرف پلٹنا، اللہ کی طرف رجوع کرنا، اللہ کے دین کو سیکھنا، اللہ کے دین پر عمل کرنا، اللہ کے احکامات کی پاسداری کرنا، اللہ کے دین کے لئے دعوتِ دین کا کام کرنا، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے اقامتِ دین، نفاذِ دین کی جدوجہد کرنا۔ بندہ ایک قدم آگے بڑھے گا اللہ تعالیٰ دس قدم آگے بڑھ کر اس کی مدد فرمائے گا۔ بندہ چل کر آئے گا اللہ تعالیٰ دوڑ کر اس کی مدد کو آئے گا۔ یہ ترغیب و تشویق ہے جو اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عطا فرما رہا ہے۔

آگے ارشاد ہوا ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے“۔ محسنین، حسن کے لفظ سے بنا ہے۔ یعنی عہدگی کے ساتھ عمل کرنے والے، نمازوں کے بعد دُعا اللہ کے نبی ﷺ نے سکھائی (اللَّهُمَّ اَعِزِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ) اے اللہ! میری مدد فرما! اپنے ذکر کے لیے اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی عبادت کے لیے، اللہ کی معیت، اللہ تو سب کے ساتھ ہے، کافر کا

دل دھڑکتا ہے تو اللہ کے اذن سے، مگر اللہ کا خصوصی ساتھ کن لوگوں کے لئے ہے بتایا جا رہا ہے؟ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔“ یعنی جو اعمال کو، نیکیوں کو، عبادات کو عمدگی ساتھ پورے آداب کے ساتھ اور پورے حسن کے ساتھ انجام دیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں مستقل جہاد کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اپنے محسنین بندوں میں ہم سب کو شامل فرما کر اپنی خاص معیت اور نصرت ہم سب کو عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 22

(سورة حم السجدة: آیت نمبر 33)

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

ترجمہ: ”اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو بلائے اللہ کی طرف اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورہ حم السجدة کی آیت نمبر 33 کا انتخاب کیا ہے۔ دعوتِ الی اللہ، اللہ رب العالمین کی طرف لوگوں کو بلانا، اس تعلق سے رہنمائی دی جا رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ﴾ اور اس سے بہتر قول کس کا ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اس نے عمل کیا نیک ﴿وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور وہ یہ بھی کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ پہلی بات یہ کہ یہاں ”احسن“ کا لفظ آیا ہے انگریزی میں اسے کہیں گے کہ یہ Superlative ڈگری ہے The Best سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کی ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔ زبان بڑی قیمتی شے ہے، بڑی قیمتی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اسی زبان کو لوگ استعمال کرتے ہیں خیر کے کاموں کے لیے بھی اور شر کے کاموں کے لیے بھی، جائز امور میں بھی اور ناجائز میں بھی، اس کے علاوہ بہترین سے بہترین پروفیشن ہیں جن میں زبان کے استعمال سے لاکھوں کروڑوں روپے کمائے جاتے ہیں اور کچھ ناجائز کاموں کے اندر بھی، جھوٹ بول کر اور جھوٹے مقدمے لڑ کر لاکھوں کروڑوں روپے حرام کے بھی کمائے جا رہے ہوتے ہیں۔ بہر حال اس زبان کی بڑی اہمیت ہے۔ اپنا مافی

الضمیر بیان کرنے کیلئے جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ زبان تو استعمال ہو رہی ہے، مثبت پہلو میں بھی، منفی پہلو میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس زبان کا بہترین استعمال کیا ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اور آج زبان سے مراد یہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جس سے بول کر ہم اپنی بات کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ بلکہ آج جتنے بھی ذرائع ابلاغ means and mediums of communication ہو سکتے ہیں اور دستیاب ہیں جن کے ذریعے ہم اپنی باتیں ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ اپنے خیالات Exchange کرتے ہیں، ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں۔ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیکسٹ کے ذریعے سے، اشاروں اور کارٹونوں کے ذریعے سے، آڈیو کے ذریعے سے، ویڈیو کے ذریعے سے، ایس ایم ایس اور ایم ایس کے ذریعے سے، اپنی میٹیشن (Animation) یا گرافکس وغیرہ کے ذریعے سے۔ بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے یہ آج جتنے بھی ذرائع دستیاب ہیں ان سب کو زبان کے تحت ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ تمام آلات ہوں، یہ صلاحیتیں یا مہارتیں ہوں، ان کا بہترین استعمال کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔ کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے بہترین کون ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور وہ سب اسی کام میں لگے ہوئے تھے۔ ان سے بہتر کام کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ اب ختم نبوت کے بعد دعوت دین کا فریضہ انجام دینا ہم اُمتیوں کے کاندھوں پر ہے۔ ہماری بھی زبان، ہمارے بھی وسائل، ہماری صلاحیتیں اور مہارتیں، ہمارے بھی تجربات ہمارے گھرانے، ان سب کا بہترین مصرف اور استعمال کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا۔

ہاں! اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی خاص گروہ یا فرقہ یا مسلک کی دعوت نہیں۔ وہ ترجیح کے لئے ہوتا ہے فقہی مسائل میں کوئی کسی ایک مسلک کو ترجیح دیتا ہے کوئی دوسرے مسلک کو ترجیح دیتا ہے سر آنکھوں پر! لیکن تبلیغ یا دعوت کسی مسلک کی نہیں بلکہ

”دین“ کی ہونی چاہیے۔ دوسری ہدایت جو یہاں دی جا رہی ہے (وَعَمَلٌ صَالِحًا) اور اس نے عمل کیا نیک۔ اللہ کی طرف جو دعوت دینی ہے تو پورے کے پورے دین کی دعوت دینی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر۔ ایسا نہ ہو کہ دین کی دعوت تو دی جا رہی ہو لیکن دعوت دینے والے کا اپنا کردار اس کے برعکس ہو۔ اور ہم جو دعوت پیش کر رہے ہیں حق کی تو ہمارا کردار بھی اس کی گواہی پیش کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ الصّٰف میں! ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ یہ بات اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناراض کر دینے والی ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ تو دعوت دین کے عمل کے ساتھ ساتھ داعی کا کردار بھی اس کی گواہی پیش کرے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے پہلے چالیس برس کا کردار پیش کیا ہے اور پھر دعوت دین کا کام شروع کیا۔ یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ صداقت اور امانت کی گواہی پہلے آئی ہے اور پھر 40 برس کے بعد وحی کا آغاز ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ دعوت دین کا کام شروع کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کا آخری حصہ ہے ﴿وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور وہ کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ دعوت دینے والا دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ بلکہ یوں ہو کہ بھائی! میں بھی تمہاری طرح اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ تم بھی مسلمان، میں بھی مسلمان، یہ مسلمانوں کے درمیان میں دعوت کے کام کی بات ہو رہی ہے۔ دعوت تو غیر مسلموں کو بھی دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک بھی پہنچایا جائے گا تو اس میں اشارہ ہے بندے کی عاجزی کی طرف کہ میں اپنے آپ کو کوئی شے دیگر نہیں سمجھتا، تمہیں حقیر نہیں سمجھتا اور ایک اور نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی مسلک، گروہ، سے تعلق ہونا الگ شے ہے، ایک اجتماعیت میں جڑے ہونا ایک الگ شے ہے لیکن ہمارا تعارف کیا ہونا چاہیے کہ ہم مسلمانوں میں سے ہیں۔ تو مسلک پرستی کی بھی نفی ہو رہی ہے، فرقہ واریت کی بھی نفی ہو رہی ہے اور عاجزی کا بھی ذکر آ رہا ہے اور ایک یہ بھی کہ معاشرہ کتنا ہی برائی کی طرف چلا جائے میں تو مسلمان ہوں بھی۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہوں

گا۔ یہ سارے پہلو اس جملے میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور وہ یہ کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہ ترغیب و تشویق اللہ تعالیٰ ہمیں دلا رہا ہے۔ سب سے بہترین اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے بھی ہوں اور عمل بھی وہ نیک کرنے والے ہوں۔ اور وہ فرقہ واریت کی نفی کریں، ان کے اندر انتہائی عاجزی و انکساری ہو اور وہ اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فرماں بردار بنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ دعوتِ دین کے کام کے لیے ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنے فرماں بردار بندوں میں مجھے، آپ اور ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 23

(سورة التوبة: آیت نمبر 112)

﴿التَّائِبُونَ الْعَبْدُونَ الْحُبِدُونَ السَّابِحُونَ الرَّاكِعُونَ  
السَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: ”توبہ کرنے والے، (اللہ کی) بندگی کرنے والے، (اللہ کی) حمد کرنے والے،  
دُنوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے  
والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے، اللہ کی حدود کی حفاظت  
کرنے والے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ان اہل ایمان کو بشارت دے  
دیجیے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورة التوبة کی آیت نمبر 112 کا انتخاب کیا  
ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کی ”نو“ بہت قیمتی صفات کو بیان فرمایا ہے۔  
اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آج محنت کرنے کی مہلت موجود ہے۔  
جو کل مرنے کے بعد موجود نہیں ہوگی اور یہ محنت ہمیں کرنی ہے۔ اور کیا کیا محنتیں کرنی  
ہیں؟ جا بجا قرآن کریم میں اس کا تذکرہ آیا ہے اس مقام پر ”نو“ صفات کا ذکر ہے۔ چھ  
صفات تو وہ ہیں جو ہر بندہ مؤمن سے انفرادی طور پر مطلوب ہیں۔ اور تین صفات وہ  
ہیں جو اہل ایمان کی اجتماعی ذمہ داریاں ہیں۔

دعوتِ دین اور نفاذِ دین کی جدوجہد کے حوالے سے سب سے پہلے ارشاد ہوا!  
”التَّائِبُونَ“ توبہ کرنے والے۔ توبہ ایک مستقل عمل ہے۔ صرف گناہوں پر ہی توبہ  
نہیں کی جاتی بلکہ نیکیوں پر بھی توبہ کی جاتی ہے اللہ کے پیغمبر ﷺ تو معصوم ہیں اس کے  
باوجود اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا کیا عمل تھا؟ فرض نماز کا سلام پھیر کر بھی حضور ﷺ

استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ تین مرتبہ پڑھتے تھے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ توبہ مستقل کیا جانے والا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کثرت سے استغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ توبہ کا اہم مفہوم ہے گناہوں کو چھوڑ کر واپس پلٹ آنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی فرماں برداری کی طرف سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

”الْعَبْدُونَ“ دوسری صفت بیان ہوئی ”عبادت کرنے والے“ اللہ تعالیٰ ہمارا معبود ہے۔ ہم اس کے ”عبد“ یعنی اس کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ 24 گھنٹے ہمارا معبود ہے۔ اس کی بندگی بھی 24 گھنٹے کرنی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج تو بڑی بڑی عبادات ہیں۔ خوشی کا موقع ہو یا غمی کا موقع، گھر کی زندگی ہو یا کاروبار، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو جھکائے رکھنا یہ 24 گھنٹے کی بندگی ہم سے مطلوب ہے۔

”الْحَمْدُونَ“ تیسری صفت ہے ”حمد کرنے والے“ حمد میں شکر کا پہلو بھی ہے پانی پی لیا تو الحمد للہ، کھانا کھا لیا تو (الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ) اللہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری دعائیں ہمیں سکھائیں ہیں۔ ان دعاؤں کو اپنے معمولات میں شامل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اللہ فرماتا ہے! ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبْنَ﴾ ”کہ تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے“ اور دو مرتبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتِ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا﴾ (سورۃ ابرہیم: 34، سورۃ النحل: 18) ”اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو بھی تو شمار نہیں کر سکتے۔“ لہذا بندے کا کام ہے شکر ادا کرتا رہے شکر ادا کرتا رہے۔

چوتھی صفت ہے۔ ”السَّابِحُونَ“ اس کا ایک ترجمہ کیا گیا ہے روزہ رکھنے والے، ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا۔ دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رہبانیت اختیار کی جائے، وہ تو مسیحیت کے ماننے والوں نے اختیار کی۔

ہمارے دین میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں البتہ ایک مفہوم جہاد فی سبیل اللہ میں نکلنے والے، گھر بار کو چھوڑنے والے بھی مراد لیے گئے اور ایک عام ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے ”روزہ رکھنے والے“ کیونکہ روزے کی حالت میں بھی بندہ کچھ لذاتِ دنیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ کھانے پینے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے تو فرض ہیں اس کے علاوہ بھی مسنون روزے ہیں جن کا اہتمام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جیسے شوال کے چھ روزے ہیں۔ ذوالحجہ کے نو دنوں کے روزے ہیں ہر مہینے کی 3 تاریخیں 13، 14 اور 15 قمری مہینے کے روزے ہیں۔ پیر اور جمعرات کے روزے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 9، 10 محرم کے روزے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ پاک ہمیں نفل اور مسنون روزوں کا اہتمام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں اور چھٹی صفت ہے ﴿الرَّكْعُونَ السُّجِدُونَ﴾ ”رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے“، اس سے ایک مراد نماز لی گئی ہے۔ فرض نماز تو ہم ادا کرتے ہی ہیں وہ فرض ہے۔ نوافل کی طرف بھی رجحان ہونا چاہیے۔ اس سے قرب الہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور پھر ایک ہے نماز میں جھکنا، رکوع و سجدہ کرنا اور ایک ہے پوری زندگی میں جھکنا۔ مصلے پر بھی اللہ کو بڑا مانیں اور مصلے کے بعد بھی پوری زندگی میں ہر لمحہ اور ہر موقع پر بھی اللہ کو ہی بڑا مانیں۔ یہ چھ صفات تو ایک ایک بندہ مؤمن سے مطلوب ہیں۔ تو بہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد اور شکر ادا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے۔

اب اُمت کے تعلق سے تین مزید ذمہ داریاں ہیں۔ فرمایا! ﴿الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ نیکی کا حکم دینے والے ﴿وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور منکرات اور بدی سے روکنے والے۔ یہ اُمتِ مسلمہ اسی کام کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 110 کے مطابق کہ ”نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے روکنا۔“ اکیلے اکیلے نیک بننا کافی نہیں، اب اس خیر کو پھیلانا ہے، جو ہم تک پہنچ چکا، اور جس طرح بدی سے ہم

خود بچتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنا، یہ ہمارا فرض ہے گھر میں اختیار ہے وہاں حکم چلے گا، باہر اختیار نہیں وہاں دعوت و تبلیغ ہے اور لوگوں کو سمجھانے کی کوشش ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ اختیار عطا فرمائے ان کے بارے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 41 میں بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے لیے اس اختیار کو استعمال کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لازماً نیکی کا حکم دو گے، لازماً بدی سے روکو گے اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔ اور پھر تم دعائیں کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول نہیں کرے گا یہ جامع ترمذی شریف کی روایت ہے۔ تو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

اور نویں صفت ﴿وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ﴾ ”اور وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ حدود کا لفظ صرف سزاؤں کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں وراثت کے احکامات، رمضان المبارک سے متعلق کچھ احکامات عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کا معاملہ بھی حدود اللہ میں شامل ہے۔ یہ حفاظت کب ہوگی؟ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ ہوں گے۔ آج اگر سود کا نظام ہے، بے حیائی کا طوفان بھی ہے، شریعت کی سزاؤں پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ اس کے علاوہ شریعت کے بہت سارے احکامات پر عمل نہیں ہو رہا۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سر بلندی کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ دین اللہ قائم ہوگا پھر اس کے احکام کی حفاظت اور حدود کی حفاظت بھی ہوگی۔ آج اگر دین اسلام کا نفاذ نہیں ہے تو اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کرنا امت کے کاندھوں پر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان والوں کو بشارت دے دیجیے۔“ جو لوگ یہ صفات اختیار کریں گے، انفرادی سطح کی ذمہ داریاں بھی اور اجتماعی سطح کی ذمہ داریاں بھی تو ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کرنے والوں کے لیے جنت کی

بشارت عطا فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔  
آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 24

(سورة التوبة: آیت نمبر 119)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔“

آج کی آیت کے حوالے ہم نے سورة التوبة کی آیت نمبر 119 کا انتخاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور سچے لوگوں کے ساتھ جڑ جانے کی تلقین بھی ہمیں فرمائی ہے۔ سورة التوبة کی آیت نمبر 119 میں ارشاد ہوا، ”اے ایمان والو! اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ایمان لا کر یعنی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا کافی نہیں بلکہ مستقل قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مقدر و ربھرتقویٰ بھی اختیار کرو یعنی دل میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خوف رکھو کہ کہیں تم اس کی پکڑ میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ لہذا گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اگر بندے نے اپنے آپ کو گناہوں سے نہ بچایا تو اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پکڑ میں نہ آجائے۔

اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں کا مقصد یہ بتایا گیا، کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامہ ہے مگر بتایا گیا ہے کہ اس قرآن کریم سے ہدایت ان کو ملے گی جن میں تقویٰ ہوگا۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر اور کوشش کرنا۔ سیدنا عمرؓ نے ایک مجلس میں صحابہؓ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا! تو ابی بن کعبؓ نے جواب میں اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ ایک پگڈنڈی ہو یا تنگ راستہ ہو جس کے دائیں بائیں کانٹے دار جھاڑیاں

موجود ہوں تو آپ کیسے گزریں گے؟ تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے دامن کو بچا کر بیچ کر نکلنے کی کوشش کروں گا فرمایا اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اس روایت کی تشریح کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ دنیا میں بہت سارے کانٹے ہیں، فرائض کو ترک کر دینے کے کانٹے، حرام میں مبتلا ہو جانے کے کانٹے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو ترک کر دینے کا کانٹا، کہیں سود اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہو جانے کا کانٹا، حقوق العباد کو فراموش کر دینے کا کانٹا، یہ سب گناہوں کے کانٹے ہیں ان کانٹوں سے بچنے اور اللہ کی طرف لوٹنے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رُجْعُونَ) کا نام تقویٰ ہے۔ اور یہ کب تک مطلوب ہے قرآن پاک میں ذکر ہے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 102 میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اسلام یعنی فرماں برداری کی حالت میں موت آئے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے۔ اس آیت کریمہ کے دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا! ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ ”اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا اور اللہ کی بندگی پر اکیلے اکیلے کار بند رہنا دشوار اور مشکل بات ہے۔ معاشرے کے اندر برائی بھی عام ہو رہی ہے، نفس کی شرارتیں بھی ہیں اور شیطان کے حملے بھی ہیں۔ شیطان اکیلا نہیں بلکہ اس کی پوری پارٹی ہے ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ (سورۃ الناس: 06) انسانوں میں سے بھی اور جنات میں سے بھی اس کے ایجنٹس ہیں تو اکیلے آدمی کا شیطان کے حملوں کو روکنا اور مزاحمت RESIST کرنا، نفس کی شرارتوں کو RESIST کرنا، بگڑے ہوئے معاشرے کے دباؤ کو RESIST کرنا اس کے مقابلے میں کھڑا رہنا مشکل معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ بھی حکم دے رہا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ نیک لوگوں کے ساتھ، سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

صادقین کی وضاحت مختلف پیرایوں میں قرآن پاک میں آتی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں اللہ تعالیٰ نے نیکی کا بڑا جامع تصور بیان فرمایا ہے۔ ایمان کا ذکر ہے، انسانی ہمدردی کے جذبے کا ذکر ہے، مخلوق خدا پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ ہے۔ وعدے کو پورا کرنے اور انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں صادقین کی صفات ہیں۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 15 میں پکے سچے ایمان والوں کے بارے میں بتایا گیا ”سچے ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں اور جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہی لوگ سچے ہیں۔“ تو سچوں کی وضاحتیں تو جا بجا قرآن پاک میں آتی ہیں ان کا بھی مطالعہ ہونا چاہیے۔ عموم کے اور اصول کے اعتبار سے صحبت صادقین کا مفہوم ہے کہ صالح اجتماعیت اور نیک ماحول سے جڑنا۔ جب انسان خیر کے ماحول میں جڑتا ہے تو خیر کے اثرات لیتا ہے۔

انگریزی میں ہم پڑھتے آئے ہیں کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے برف والے کی دکان پر جا کر بیٹھیں گے تو ٹھنڈک تو مفت Free میں مل ہی جائے گی۔ بھٹی والے کی دکان پر لوہار کے پاس جا کر بیٹھیں گے تو چنگاریوں سے کپڑے تو جلیں گے اور کپڑے کالے بھی ہوں گے تو اللہ کے نیک بندوں کے ماحول میں بیٹھیں گے خیر کے ماحول میں بیٹھیں گے تو خیر والے اثرات ہمارے اندر پیدا ہوں گے۔ آج میڈیائی اور الیکٹرونک آلات ہمارے درمیان اس قدر شامل ہو گئے ہیں کہ یہ صحبت کی تاثیر ہمارے ہاں مفقود ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ آلات احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں۔ آج یہ آلات کی دنیا ہو گئی ہے، پوری دنیا کے اندر ورچوئل لائف ہو گئی ہے۔ ایک جائز حد تک اس ٹیکنالوجی اور ان سہولیات سے فائدہ اٹھالینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے مگر

انسان کا انسان کے ساتھ جو ذاتی Personal تعلق ہے اور پھر ایک اجتماعیت کے اندر جو آپس میں بھائی چارے کا اور محبت کا تعلق ہے کوئی شے اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ کیا خیال ہے؟ ورچوئل یا سمارٹ نماز کی گنجائش دی ہے فقہانے؟ نہیں دی ہے نا! نماز تو باجماعت ہی ہوگی ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر! کیا خیال ہے یہ بات اسی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے؟

یہ افراد کا اکٹھا ہے۔ آج اگر بدی مجتمع ہے تو اللہ والوں کو بھی اکیلے اکیلے نہیں رہنا چاہیے۔ انہیں بھی اجتماعیت کی شکل اختیار کرنی چاہیے تاکہ خیر سیکھ سکیں۔ جب ہم اپنے سے بہتر لوگوں کو دیکھیں گے تو مزید ترغیب و تشویق حاصل ہوگی اور نیکی کا جذبہ ابھرے گا ان شاء اللہ۔ میں اگر کمزور پڑ جاؤں گا تو آپ میرا ہاتھ تھام لیں گے۔ وہ جو قرآن پاک فرماتا ہے کہ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ مل جل کر وہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کریں اور مل جل کر ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کریں۔ تو یہ ہے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 119۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور سچے لوگوں کے ساتھ جڑ جانے اور ایک اجتماعیت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کے، نیکی کے ماحول میں دینی اجتماعیت میں جڑ کر مجھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ اپنا تقویٰ اختیار کیے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 25

(سورة الصف: آیت نمبر 9)

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ  
الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾

ترجمہ: ”وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظام زندگی) پر۔“

آج کی آیت کریمہ کے حوالے سے ہم نے قرآن حکیم سے سورة الصف کی آیت نمبر 9 کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں اللہ رب العالمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان فرمایا ہے۔ سورة الصف کی آیت نمبر 9 میں ارشاد ہوا! ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ﴾ وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا الہدیٰ دے کر ﴿وَدِينِ الْحَقِّ﴾ اور دین حق کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ﴾ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین حق کو کل نظام زندگی پر غالب فرمادیں۔ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

یہ آیت کریمہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان کیا گیا اور آپ کے مقصد بعثت کا بھی ذکر کر دیا گیا یہ الفاظ سورة التوبہ آیت نمبر 33 میں بھی آئے ہیں انہی الفاظ کے ساتھ اور یہی بات سورة فتح کی آیت 28 میں بھی بیان ہوئی ہے۔ وہاں آخری الفاظ ہیں! ﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ اور یہاں ہے ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ گویا تین مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان فرمایا گیا۔ ہدایت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا جو پہلے نبی بھی ہیں البتہ ہدایت کے عطا کیے جانے کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی جب آپ کو ”الْهُدَىٰ“

یعنی قرآن حکیم عطا فرما دیا گیا۔ آپ ﷺ ہی پر اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کا اعلان بھی فرمایا۔ سورۃ المائدہ کے شروع میں ذکر آتا ہے ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا تو ہدایت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوا تھا وہ مکمل ہو کر ”الْهُدَى“ قرار پایا اور قرآن حکیم کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کو عطا ہو گیا۔

سورۃ آل عمران کی آیت 19 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے! ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ تمام انبیاء الرسل، اللہ تعالیٰ کے حکم سے دین اسلام ہی کی تعلیم دیتے رہے، البتہ اس دین کی تکمیل کا اعلان نبی اکرم ﷺ پر ہوا۔ یہ وہ عظیم شانیں ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی بیان ہوئی ہیں۔ قرآن حکیم آخری کتاب کے طور پر آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دین کی تکمیل کا اعلان آپ ﷺ پر ہوا۔ البتہ ایک اہم ترین امتیازی شان آپ ﷺ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس انقلابی مشن کے ساتھ بھیجا گیا کہ کل نظام زندگی پر اللہ تعالیٰ کے دین کو آپ ﷺ غالب فرمادیں۔

حضور نبی کریم ﷺ صرف چند عبادات سکھانے کے لیے مبعوث نہیں فرمائے گئے، یا محض اخلاقی ہدایات سکھانے نہیں آئے تھے۔ یہ سب کچھ بھی آپ ﷺ کے ذریعہ ہمیں عطا فرمایا گیا لیکن دراصل آپ ﷺ ایک کامل دین لے کر آئے تھے جس کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور اس پورے کے پورے دین میں داخلے کے لیے یہ دین اپنا نفاذ چاہتا ہے۔

یہی انقلابی مشن نبی مکرم ﷺ کا تھا جس کے دوران کبھی طائف کی گلیاں ہیں۔ کبھی ہجرت کی راتیں ہیں۔ کبھی بدر کا میدان ہے اور کبھی احد کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کے دندان مبارک کا شہید ہونا اور آپ کے خون اطہر کا جاری ہونا بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ کبھی غزوہ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ

پیٹ پر پتھر باندھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ 23 برس کی مشقتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھیلیں اور اپنے 259 صحابہ کی جانوں کے نذرانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کیے جب قرآن کریم فرماتا ہے کہ! ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: 81) حق آگیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل ہے ہی مٹنے کے لیے۔ اور سورۃ النصر کی آیت 2 میں فرمایا! ﴿وَرَأَيْتِ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے کہ لوگ جوق در جوق اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

سرزمین عرب پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے اللہ کا دین غالب ہوا اور پھر غزوہ تبوک جو سلطنت روما کے خلاف تھا، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ دین فقط عرب کے لیے نہیں آیا بلکہ پوری دنیا کے لیے آیا ہے۔ آج یہ ذمہ داری ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے جیسا کہ بقول اقبال:

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

اب نبوت کا سلسلہ تو مکمل ہو چکا، لیکن کارِ رسالت جاری ہے۔ دین کے پیغام کو پہنچانے والا معاملہ اور دین کے نظام کو قائم کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنا، یہ ذمہ داری آج ہمارے کاندھوں پر ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں پانچ جلیل القدر رسولوں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمانے کے بعد ہم مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (سورۃ الشوریٰ: 13) کہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا۔ ختم نبوت کے بعد اب امتِ مسلمہ کے کاندھوں پر ذمہ داری ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر قائم اور نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔

آگے ارشاد ہوا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

ایک وہ مشرک تھے جو نبی ﷺ کے دور میں تھے جن کے سردار اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔ گویا اپنے بنائے ہوئے قانون کو چلانا چاہتے تھے۔ آج بھی دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو وحی کا انکار کرتے ہیں اور وحی کے مقابلے میں اپنے قانون کی بات کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تین مرتبہ قرآن مجید میں فرماتا ہے! ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ قرآن حکیم میں سورۃ یوسف کی آیت نمبر 40 میں بھی ارشادِ ربانی ہے! ﴿إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ حکم کا اختیار فقط اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور کا قانون چلے، اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں کسی اور کی اطاعت چلے، اللہ کے نظام کے مقابلے میں کسی اور کا نظام چلے تو یہ بھی شریکِ طرزِ عمل ہے اس کے خاتمے کے لیے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کے لیے محنت کرنا اب ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا انقلابی مشن ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ﴾ وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا الہدیٰ دے کر ﴿وَدِينِ الْحَقِّ﴾ اور دینِ حق کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ تاکہ آپ ﷺ اس دینِ حق کو کل نظامِ زندگی پر غالب فرما دیں ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی جان، مال، وقت، صلاحیت، اوقات اور اولاد کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کی سر بلندی کی جدوجہد کے لیے لگائیں۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 26

(سورة الحج: آیت نمبر 41)

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ طَوَّلَهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

ترجمہ: ”وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے، اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورة الحج کی آیت نمبر 41 کا انتخاب کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے ان لوگوں کی ذمہ داریوں اور فرائض کی وضاحت کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں تمکن اور اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے۔ سورة الحج آیت 41 میں ربّ کائنات کی طرف سے ارشاد ہوا! ﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں دسترس عطا کریں“ اختیار عطا کریں ﴿أَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ ”وہ نماز قائم کریں گے“ ﴿وَآتَوُا الزَّكَاةَ﴾ ”وہ زکوٰۃ ادا کریں گے“ ﴿وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”وہ معروف کا اور بھلائی کا حکم دیں گے“ ﴿وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”وہ منکر اور بدی سے روکیں گے“ ﴿وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ ”اور تمام کاموں کا انجام تو بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔“

سفر ہجرت کے دوران یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہ عنقریب یثرب، مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنے گا۔ وہاں مسلمانوں کو تمکن و اختیار حاصل ہوگا اس موقع پر مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے عموم کے اعتبار سے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ زمین پر اختیار عطا فرمادے اقتدار عطا فرمادے اور فیصلے کی قوت جن کے پاس ہو، ان

کے کرنے کے کام کیا ہیں۔

ایک انداز سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک اسلامی ریاست کا منشور، اس کا Manifesto بیان ہو رہا ہے؟ اس کے چار بڑے بڑے ستون (Pillars) اس مقام پر اللہ رب العالمین بیان فرما رہا ہے کہ جنہیں زمین میں اختیار عطا ہوگا وہ نماز قائم کریں گے لیکن نماز قائم کرنا تو ایک عام مسلمان کے لیے ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو نماز ادا کرو۔ لیکن جب یہ بات اہل اقتدار کے لیے بیان ہو تو اس کا مطلب ہے کہ نماز کا پورا انتظام، مساجد کا موجود ہونا، مساجد کے انتظام کو چلانا، وہاں کے ائمہ و مؤذنین و معلمین، ان کے جو بھی وظائف ہیں ان کا اہتمام کرنا، مساجد کے انتظامی امور کو دیکھنا، نماز باجماعت کا اہتمام، دینی تعلیمات کے مطابق جمعہ کا اہتمام، عیدین کا اہتمام اور وقت کے حکمران کا امامت کرانا وغیرہ۔ مذکورہ بالا تمام ذمہ داریاں اہل اقتدار کی ہیں۔ وہ دین کا نمائندہ ہے۔ چونکہ مسلمانوں پر اس کو حکمرانی کا اختیار مل گیا ہے۔ سبحان اللہ! تو نماز کا پورا انتظام موجود ہونا، اور جمعہ اور عیدین کی امامت کرنا مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے۔ اگر آج یہ مسلمان حکمران اس قابل نہیں ہیں تو انہیں اس قابل بننا چاہیے اور اس قابل نہیں ہیں تو بہت بڑا سوالیہ نشان ہمارے سامنے آنا چاہیے کہ کیا وہ مسلمانوں کے حکمران بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو یہ نماز کا پورا انتظام ذہن میں رہے۔ اولین ذکر نماز کا ہے اور ایک منشور Manifesto کے طور پر نماز کا بیان سامنے آ رہا ہے۔ بندہ مؤمن کی پوری زندگی نماز سے جڑی ہوئی ہے اور ایک اسلامی ریاست کے معاملات بھی نماز سے جڑے ہوئے ہونے چاہئیں۔

دوسرا تقاضا ﴿وَأَتُوا الزَّكَاةَ﴾ ”اور وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔“ ایک عام مسلمان اگر وہ صاحب نصاب ہو تو وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ لیکن جن کے پاس اقتدار ہوگا، اختیار ہوگا وہ زکوٰۃ کی وصولی کا پورا انتظام بنا کر نافذ کریں گے۔ اور صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑا گوشہ ”عشر“ کا بھی ہے پاکستان ایک زرعی ملک ہے، لہذا عشر کے حوالے

سے ہماری بہت بڑی کوتاہی ہے۔ زکوٰۃ سالانہ بنیادوں پر ہے جبکہ عشر ہر ہر فصل پر ادا ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات ہیں جو ہمیں معلوم ہونی چاہئیں۔ جن کے پاس اختیار ہو گا وہ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کا ایک پورا نظام بنا کر نافذ کریں گے۔ اور جو مستحقین ہوں گے، زکوٰۃ و عشر کے لینے والے ہوں گے، حاجت مند ہوں گے، ان تک پہنچائیں گے گویا اس میں ایک کفالت کا تصور، ایک فلاحی ریاست کے تصور کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

تیسری بات ہے ﴿وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور چوتھی بات ﴿وَنَهَوُوا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور وہ بھلائی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔“ یہ تو اُمت والا کام ہے۔ اُمت کو کس مقصد کے لیے کھڑا کیا گیا۔ ”نیکی کا حکم دینے کے لئے اور بدی سے روکنے کے لئے“ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 110)۔ لیکن میں تو اپنی اولاد کو شاید کسی درجے میں حکم دے سکوں۔ محلے والوں کو یا ان کے بچوں کو حکم نہیں دے سکتا۔ حکم دینے کے لیے طاقت اور قوت کا ہونا ضروری ہے۔ تو جن کے پاس اختیار ہے، اقتدار ہے، قوتِ نافذہ ہے، وہ تو حکماً فرائض و واجبات کی پابندی کرائیں گے اور حرام اور منکرات کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ ہم جیسے لوگ تو منت سماجت کریں گے کہ بھائی سود کو چھوڑ دو، بھائی بے حیائی کو چھوڑ دو لیکن جن کے پاس اختیار ہوگا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اختیار کو بدی کے خاتمے کے لیے، سود کے خاتمے کے لیے، جوئے کے خاتمے کے لیے، شراب کے خاتمے کے لیے اور بے حیائی کے کاموں کے خاتمے کے لیے استعمال کریں۔ جن کے پاس اقتدار ہوتا ہے وہ زیادہ ذمہ دار بھی ہوتے ہیں اور ان پر امت والی امانت کا بھاری بوجھ ہے۔ کہ امت اسی مقصد کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ لہذا وہ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

یہ چار بڑے بڑے فرائض و ذمہ داریاں اہل اقتدار کی ہیں ماضی کے حکمران ہوں یا آج کے حکمران، گسے باشند، کوئی بھی ہو! سب کے سب ذمہ دار ہیں کہ تمہیں

اختیار ملا ہے۔ بڑا شوق ہے تمہیں اقتدار کا! بڑے شوق سے تم آئے ہو! یہ شوق کا معاملہ نہیں ہے یہ دل لگی اور کھیل تماشے Entertainment کا معاملہ نہیں ہے اللہ اکبر! یہ تو بڑی بھاری ذمہ داری کا معاملہ ہے۔ ان کروڑوں کے مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا“ باپ ہے تو اولاد کے بارے میں، شوہر ہے تو بیوی کے بارے میں، اور آقا ہے تو غلام کے بارے میں، اور حکمران ہے تو رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا تمہیں اقتدار ملا تھا کیا کیا اس کے ساتھ؟ نماز کا نظام قائم کر کے ان کو اللہ سے جوڑنے کی کوشش کی کہ نہیں! زکوٰۃ کا انتظام کر کے ان کی کفالت کا انتظام کیا کہ نہیں! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ فریضہ انجام دے کر ان کی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کی ہے کہ نہیں کی! اب اگر آپ کے چند بچے ہوں اور وہ بچے ہوں بھی نیک تو وہ بچے آپ کے لیے کتنا بڑا صدقہ جاریہ ہونگے؟ ایک ریاست کو چلانے والے حکمران ہوں اور وہ کروڑوں انسانوں کے لیے دین پر عمل کرنے کے مواقع فراہم کریں تو کتنے کروڑوں انسان ان کے لیے صدقہ جاریہ بنیں گے اور دعائیں کریں گے۔ اللہ اکبر!

آخری بات ﴿وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ ”اور تمام معاملات کو لوٹنا تو بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔“ انجام تو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ جس جس کو اقتدار ملا ہے جس جس کو اختیار ملا ہے، یاد رکھے کہ یہ دنیا عارضی ہے، مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ تمہیں کیا اختیار ملا؟ تمہیں معلوم ہے۔ کل اللہ تعالیٰ پوچھے گا اس اختیار کو تم نے کہاں استعمال کیا؟ صحیح استعمال کیا یا غلط! اگر صحیح استعمال کیا تو اللہ کے سائے میں، مراد عرش کے سائے میں جو سات قسم کے افراد ہوں گے بخاری شریف کی روایت کے مطابق ان میں سے ایک ”امام عادل“ عدل کرنے والے حکمران ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ اور اگر ظلم کیا اور اقتدار و اختیار کا غلط استعمال کیا اور ان

فرائض کو انجام نہ دیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی بھی کرنی ہوگی اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو خیر کی توفیق دے، ہدایت عطا فرمائے، صحیح فیصلوں کی توفیق دے اور یہ جو فرائض کتاب اللہ میں بیان کیے گئے ہیں انہیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 27

(سورة محمد صلى الله عليه وسلم: آیت نمبر 7)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَ يَثْبُتْ  
أَقْدَامَكُمْ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جمادے گا۔“

آج کے درس کے حوالے سے سورة محمد صلى الله عليه وسلم کی آیت نمبر 7 کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورة محمد صلى الله عليه وسلم کی آیت نمبر 7 میں ارشاد فرمایا! ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!“ ﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾ ”اگر تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت کرو گے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا“ ﴿وَ يَثْبُتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ ”اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرمادے گا۔“

یہ ترغیب و تشویق کا بہت عمدہ انداز ہے جو ربّ کائنات نے اس مقام پر اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت؟ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کسی نصرت کی ضرورت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو کسی مدد کی ضرورت ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو الصمد ہے، بے نیاز ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انداز ہماری ترغیب کے لیے، تشویق کے لیے (Motivation) کے لیے، تحریک کے لیے اختیار فرمایا۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت سے کیا مراد ہے؟ قرآن حکیم میں سورة الصف کے آخر میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ذکر آتا ہے۔ انہوں نے اپنے حواریوں یعنی ساتھیوں سے کہا تھا ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ ”کون ہے میرا مددگار اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف“ ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ یہ ان کے حواریوں یعنی ساتھیوں نے کہا کہ ”بے شک ہم اللہ کے مددگار ہیں“۔ حضرت عیسیٰؑ یہ فرما رہے ہیں کہ میرا مددگار کون ہے اللہ کی جانب یعنی دین کی خاطر، اور ساتھی کہہ رہے ہیں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو سورۃ الصف آیت نمبر 14 سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پیغمبر کا ساتھ دینا، پیغمبر کے کام میں شریک ہونا، پیغمبر کے مشن میں شریک ہونا، یہی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بڑے ترغیب و تشویق کے انداز میں ہماری دلجوئی فرما رہا ہے، ہمیں تحریک دے رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی یعنی اس کے دین کی نصرت کرو گے، اس کے دین کی مدد کرو گے، اس کے دین کے لیے جدوجہد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

دین کی نصرت کیا ہے؟ اللہ کے دین کو سیکھنا بھی، اللہ کے دین پر عمل کرنا بھی، مگر یہ کافی نہیں ہے۔ اللہ کے اس دین کی دعوت دوسروں کو دینا اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا جو ختم نبوت کے بعد ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ہے نصرتِ دین کا معاملہ۔ دین پر عمل اور دین کی دعوت دوسروں کو دینا اور دین کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔

مملکت خداداد پاکستان اسی مقصد کے لیے ہم نے حاصل کی تھی کہ یہاں اللہ کے دین کو قائم کر کے دنیا کے سامنے ایک رول ماڈل پیش Present کریں گے کہ آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو، یہ اسلام کی برکتیں ہیں، یہ قرض بہر حال ہمارے ذمہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مراد اس کے دین کی دعوت اور اس کے نفاذ کے حوالے سے جدوجہد کرنا، اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم دین کو مضبوطی سے تھامو، تم دین کے ساتھ مخلص ہو جاؤ، تم دین کی دعوت کا کام کرو، دین کے نفاذ کی جدوجہد کرو تو اس کا مطلب ہے کہ تم اللہ کی نصرت کر رہے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور آپ سوچئے

کہ ہمیں کس قدر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہم تو ہیں ہی اس کے محتاج، ہم تو ہیں ہی اس کے بھکاری، ہم کچھ نہیں اس کے اذن کے بغیر، اور آج جن حالات سے امت مسلمہ گزر رہی ہے، چاہے پاکستان کے معاملات ہوں یا دیگر مسلم ممالک یا غیر مسلم علاقوں میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کیا جا رہا ہے۔ اس سارے تناظر میں آج ہم اللہ رب العالمین کی مدد کے بہت محتاج ہیں۔ ہم اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے اسباب کی طرف تو توجہ بہت کرتے ہیں، بحث بھی ہوتی ہے، ٹاک شوز بھی ہوتے ہیں، کانفرنسز بھی ہوتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ مسبب الاسباب جو ﴿عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ہے جو کل نفع و نقصان کا مالک ہے اس کی طرف ہم متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے! ﴿إِنَّ يَنْصُرُكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ (سورۃ ال عمران: 160) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا ہاتھ تمہارے اوپر سے ہٹالے تو بتاؤ اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ آج ہمارا حال یہی ہے کہ ہم مغلوبیت کا شکار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شامل حال نہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ کیا ہے کہ ہماری اکثریت آج دین کے ساتھ مخلص نہیں، آج اللہ کا دین ہماری اولین ترجیح نہیں رہا۔ گلاس ٹوٹنے پہ ہمیں غصہ آجاتا ہے، اسمارٹ فون کی سکرین ٹوٹی ہے ہمیں زیادہ غصہ آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احکامات توڑے جا رہے ہیں لیکن ہمیں کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

تو آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے حالات سنور جائیں۔ ہم مغلوبیت اور ذلت کی زندگی نہ گزاریں اور دنیا میں عروج پائیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میرے دین کی نصرت میں لگ جاؤ، میں تمہاری نصرت کروں گا اور جس کی نصرت اللہ تعالیٰ فرمائے وہ مغلوب نہیں ہوگا وہ غالب رہے گا اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا! ﴿وَيُثَبِّتُ

أَقْدَامَكُمْ ﴿﴾ ” اور اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرمادے گا۔“ آج ہم پاکستان کی بات کریں، اُمتِ مسلمہ کی بات کریں ہم سب ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ سب سے ارزاں و سستا خون ہمارا ہے جو دنیا میں بہتا ہے۔ افغانستان، شام، عراق، کشمیر، فلسطین، برما اور کبھی ماضی میں بوسنیا اور نہ جانے کہاں کہاں یہ سلسلہ جاری ہے۔ سب سے سستا خون مسلمان کا ہے جو بے جا رہا ہے۔ اور مملکتِ خدادادِ پاکستان میں کیسے کیسے حالات سے ہمیں گزرنا پڑ رہا ہے؟ اس سارے تناظر میں معیشت کا بھٹہ بیٹھا ہوا ہے، اخلاقیات کا جنازہ نکلا ہوا ہے، استحکام دکھائی نہیں دیتا، ہماری جو بھی اس وقت سیاسی صورتحال ہے اس پر کیا تبصرہ کیا جائے۔ اللہ فرماتا ہے تم دین کے ساتھ مخلص ہو جاؤ اس کے دین کی نصرت میں لگ جاؤ، وہ تمہاری نصرت فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرمائے گا۔

نہ کہیں جہاں میں اَمانِ ملی، جو اَمانِ ملی تو کہاں ملی  
میرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

اور وہ جو کہا

کہ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے  
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات  
ہمیں بالآخر لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہوگا اور اس کے دین کے ساتھ مخلص ہونا ہوگا۔  
تبھی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی اور ان شاء اللہ ہمارے حالات اس دنیا میں بھی سدھریں گے اور سب سے بڑھ کر آخرت میں بھی ہماری کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر عمل کرنے کی اور دین کی دعوت کو عام کرنے اور مل جل کر دین کے غلبے کی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 28

(سورۃ طہ: آیت نمبر 82)

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى﴾

ترجمہ: ”اور میں تو یقیناً بہت ہی معاف فرمانے والا ہوں ہر اُس شخص کے لیے جس نے توبہ کی، ایمان لایا، نیک اعمال کیے، اور پھر سیدھی راہ پر چلتا رہا۔“

آج کی آیت کے حوالے سے سورۃ طہ کی آیت نمبر 82 کا انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ رب العالمین نے یہ مبارکباد ہمیں دی ہے، بشارت دی ہے، بہترین خبر اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ہے مگر کن کو بخشنے والا ہے؟ وہ جو واقعتاً سچی توبہ کر لیں اور اپنے معاملے کو درست کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ اور صحیح راہ پر گامزن ہو جائیں، سورۃ طہ کی آیت نمبر 82 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! ”بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی، اور وہ ایمان لایا، اور اس نے عمل کیا نیک، پھر وہ ہدایت پر گامزن رہا۔“ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بخشنے والا ہے۔ اللہ کی شانِ غفّاری، اللہ کی شانِ کریمی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا الرَّحْمَنُ اور الرَّحِيمُ ہونا جا بجا قرآن پاک اس کا ذکر فرماتا ہے۔

حدیث مبارک میں بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ”اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوا حصے فرمائے ہیں۔ ایک حصہ مخلوق کو دیا ہے اور ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے ہیں“ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ مخلوق میں انسان بھی ہیں۔ جانور بھی ہیں، چرند بھی ہیں اور پرند بھی، جتنا بھی محبت و شفقت کا اظہار ہوتا دکھائی دے رہا ہے یہ سب اللہ کی رحمت کے سو میں سے صرف ایک حصے کا ظہور ہے تو جس رب کے پاس رحمت کے ننانوے حصے ہوں گے، اس کی رحمتوں کا عالم کیا ہوگا؟

البتہ اس کی رحمت اور اس کی مغفرت جو کہ بہت وسیع ہے اس کا مستحق بننے کے لیے محنت درکار ہے، وہ محنت کیا ہے؟ فرمایا! ”بے شک میں یقیناً بہت ہی زیادہ بخشنے والا ہوں، اسے جس نے توبہ کی۔“

توبہ کا لغوی مفہوم تو ہے پلٹ آنا۔ بندے کا پلٹنا کیا ہے؟ بندہ معصیت کو، گناہ کو، نافرمانی کے کام کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی روش کی طرف پلٹ آئے۔ یہ ہے توبہ کا مفہوم جس کو قرآن حکیم سورۃ التحریم کی آیت 8 میں یوں بیان فرماتا ہے! ”اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی اور پکی توبہ کرو، خالص توبہ۔“ اللہ تعالیٰ کس کو بخشنے والا ہے؟ جو ایمان لے آئے۔ ایک شخص کفر پر ہے وہ اسلام کی طرف آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوگا اور حدیث مبارک میں آیا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے جو کفر سے اسلام کی طرف آئے تو اس کا یہ اسلام قبول کرنا اس کے پچھلے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ سبحان اللہ! سب معاف ہو جائے گا یہ تو وہ ایمان ہے کہ جو کفر سے اسلام کی طرف آجائے اور ایک وہ بندہ مؤمن ہے جو پہلے ہی مسلمان ہے لیکن گناہوں کی نحوست کی وجہ سے اس کی رُوح آلودہ ہو جاتی ہے۔ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے دل میں سے ایمان نکل جاتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ایمان دل سے نکل کر پرندے کی طرح سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ بندہ پلٹ آئے، توبہ کر لے تو ایمان واپس آ جاتا ہے اسی لیے توبہ کے بارے میں بڑا خوبصورت جملہ کہا گیا کہ توبہ روح کا غسل ہے اللہ اکبر! توبہ روح کا غسل ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کی نحوست کی وجہ سے روح آلودہ ہو جاتی ہے۔ باطن ناپاک ہو جاتا ہے اندر سے ایمان نکل جاتا ہے، حقیقی ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ مسلمان تو رہتا ہے، کلمہ گو ہے، لیکن اندر سے ایمان نکل جاتا ہے تو اللہ کس کو بہت بخشنے والا ہے جو توبہ کرے اور ایمان لائے۔ اچھا ایمان ادھر (دل میں) ہوگا تو عمل ثبوت پیش کرے گا۔ توبہ! توبہ! توبہ! صرف زبان سے کہنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ توبہ کرنی بھی ہے۔ مراد ہے کہ توبہ کے استغفار کے وہ کلمات زبان سے بھی

ادا کیے جائیں جو قرآن پاک میں اور، احادیث مبارکہ میں بھی آئے ہیں مگر صرف توبہ کہنے سے توبہ نہیں ہوتی بلکہ توبہ کرنے سے توبہ ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ ”اور اس نے عمل کیا نیک“ اب تک معصیت میں مبتلا تھا، گناہ کر رہا تھا، نافرمانی کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو پامال کر رہا تھا اب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کی طرف آجائے۔ یہ فرمانبرداری دو اعتبارات سے ہے۔ ایک ہماری وہ دینی ذمہ داریاں ہیں جو ہماری انفرادی زندگی سے متعلق ہیں اور جہاں عمل کرنا فوراً ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز ادا کرو۔ اگر کوئی ادا نہیں کرتا تو گناہ گار ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ ہر ہر صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، ادا نہیں کرتا تو گناہ گار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سود کے معاملے کو چھوڑ دو تو انفرادی سطح پر تو سود کو چھوڑنا ممکن ہے! اللہ تعالیٰ جھوٹ سے منع فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی سے منع فرماتا ہے یہ وہ احکام ہیں جہاں فوراً عمل درآمد ہو سکتا ہے لہذا فوراً عمل کرنا چاہیے۔

اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے دین کے وہ تقاضے ہیں جو اجتماعی سطح سے متعلق ہیں۔ سود کا نظام ختم ہونا چاہیے۔ بے حیائی، فحاشی و عریانی کا طوفان ختم ہونا چاہیے۔ جوئے اور سٹے کا نظام ختم ہونا چاہیے۔ اللہ کی شریعت میں سزاؤں کے نفاذ کا تقاضا ہے کہ اگر وہ نافذ نہیں ہیں تو ان کا نفاذ ہونا چاہیے۔ یہ اجتماعی معاملات زندگی وہ ہیں جہاں میرا اور آپ کا اکیلے اکیلے کا اختیار نہیں ہے چنانچہ وہاں ہمیں کوشش Struggle کرنی ہے، وہاں ہمیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنی ہے یعنی انفرادی سطح پر توبہ کا مطلب ہے فوراً گناہوں کو چھوڑ کر فرائض و واجبات کی ادائیگی پر آ جاؤ۔

سچی، سچی اور خالص توبہ اجتماعی سطح پر بھی مطلوب ہے۔ یہ اُمت آج اپنے فریضہ سے غافل ہے۔ دعوتِ دین کا کام، نفاذِ دین کی جدوجہد کا معاملہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا معاملہ، اقامتِ دین، اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کا معاملہ، اگر امت

یہ فرائض انجام نہیں دے رہی تو گناہ گار ہو رہی ہے! اس سطح پر توبہ کیا ہے؟ اجتماعی سطح پر توبہ یہ ہے کہ دعوتِ دین، نفاذِ دین کی جدوجہد کا کام کیا جائے اور یہ اکیلے اکیلے نہیں ہو سکتا اس کے لیے دینی اجتماعیت میں شامل ہو کر ہی ہم اس فریضہ کو سرانجام دے کر اجتماعی سطح پر توبہ کر سکتے ہیں۔

آگے فرمایا! ”پھر وہ ہدایت پر گامزن بھی رہا“ مُراد ہے کہ زندگی کا رخ سیدھا ہو جائے۔ ہیں تو بندے خطا کار، زندگی کا رخ سیدھا ہو جائے، محسوس ہو کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی، پتہ چلے کہ اب یہ اللہ کی فرماں برداری کی طرف آ گیا ہے، پتہ چلے کہ یہ اللہ کی بندی اللہ کی فرماں برداری کی طرف آگئی ہے۔ اب اس کا ماضی جو داغدار تھا اب داغدار نہیں رہا بلکہ اس کی زندگی میں عفت و پاکیزگی آگئی ہے، تقویٰ اور خیر آ گیا ہے۔ وہ اب گناہوں سے بچنے والا بن گیا ہے، یہ ہے ”ثُمَّ اهْتَدَى“ تو اللہ فرماتا ہے! بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو (لَمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى) جس نے توبہ کی، اور وہ ایمان لایا، اور اس نے عمل کیا نیک، پھر وہ ہدایت پر گامزن رہا۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت عطا فرمائی کہ سارے کے سارے بنی آدم خطا کار ہیں، ان میں سے بہترین خطا کار کون ہیں؟ جو توبہ کرنے والے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ (الَّتَائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ) (ابن ماجہ) ”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو“۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور ہم سب کو سچی اور پکی توبہ کرنے کی توفیق دے۔ انفرادی طور پر فرائض و واجبات پر عمل کرنے اور حرام اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور اجتماعی سطح پر دعوتِ دین اور نفاذِ دین کی جدوجہد کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

## درس نمبر 29

(سورة البقرة: آیت نمبر 286)

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا  
اَكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا  
تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا  
تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۗ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاعْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ  
أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق، اسی جان کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور اسی کے اوپر وبال بنے گا جو اُس نے بُرائی کمائی۔ اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے۔ اور اے رب ہمارے! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے۔ اور اے رب ہمارے! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہم سے درگزر فرماتا رہ! اور ہمیں بخشا رہ! اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مولا ہے، پس ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔“

آج کی آیت کے حوالے سے سورة البقرہ کی آخری آیت مبارکہ، آیت نمبر 286 کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بہت ہی جامع دعائیں ہمیں تلقین فرمائی ہیں اور ایک بشارت جو احادیث مبارکہ میں آتی ہے کہ ان دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول بھی فرماتا ہے۔ سورة البقرہ کی آخری آیت نمبر 286 میں ارشاد ہو رہا ہے! ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا، یہ عموم کے اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اتنی ہی ذمہ داریاں اس

پر ڈالی ہیں جتنی کہ اس کے اندر استطاعت اور استعداد (capacity) ہے۔ باقی تفصیل ہے ہر شخص کو جو کچھ بھی اللہ نے عطا فرمایا اس کے مطابق وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہے۔ کیسے حالات اس کو میسر آئے، ہر فرد کو حالات کتنے موافق Favourable یا ناموافق Unfavourable ملے تھے۔ یہ بحث اپنی جگہ پر ہے۔ اسی طرح ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے مواقع عطا کیے، کیا اس نے اپنی استعداد Capacity کو بڑھانے کی کوشش کی؟ بعض اوقات انسان دس سال ایک پیشہ میں لگاتا ہے وہ بہت آگے نکل جاتا ہے تو ایک بندہ خیر کے اور نیکی کے کاموں میں محنت کرے گا تو اس کی وسعت اور استعداد Capacity مزید بڑھتی چلی جائے گی، لہذا ارشاد ہوا! ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا“۔

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ انسان کے لئے اس عمل کا اجر ہے جو اس نے نیکی کمائی اور انسان پر اس عمل کا وبال ہوگا جو اس نے بدی کمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اختیار بندے کو دیا تو چاہے وہ نیک بنے اور چاہے تو وہ بدی کا معاملہ کرے۔ جو خیر کمائے گا اپنے بھلے کے لیے اور اگر وبال پائے گا تو اپنی ہی برائی کا وبال پائے گا۔ یہ بھی اصولی بات ہے۔ ہر ایک انفرادی سطح پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ ﴿وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا﴾ (سورۃ مریم: 95) ہر ایک اکیلے اکیلے اپنا جواب دے گا تو جو نیکی کر رہا ہے اس کا اجر اسی کے لیے، اور جو بدی کمائے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔

اس کے بعد بہت جامع دعائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ ”اے ہمارے رب! ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے“ حدیث مبارک میں بھی آتا ہے کہ اللہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! میرے رب نے میری امت

سے نسیان اور خطا کو معاف فرمادیا۔ نسیان کا مطلب ہے بھولے سے کسی کام کا ہو جانا، بعض مواقع پر کوئی قتلِ خطا کا معاملہ ہو جاتا ہے جیسے خطا کا لفظ بھی آگے آ رہا ہے تو اس کی دیّت یا کفارہ مقرر کیا گیا مگر عموم کے اعتبار سے نسیان ہے، بھولے سے کوئی کام ہو جائے جیسے روزے کی حالت میں بھولے سے کوئی شخص کھاپی لے جیسے ہی یاد آئے تو اسے چھوڑ دینا چاہیے اور روزہ جاری رکھنا چاہیے۔ اور خطا کیا ہے کہ چوک ہو جانا کچھ کرنے چلے تھے کچھ اور ہو گیا مثلاً ایک جانور کا شکار کرنے چلے تھے مگر گولی کسی انسان کو لگ گئی۔ اس پر قتلِ خطا کے احکامات تو لاگو ہوں گے لیکن نسیان اور خطا اس امت پر اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسے کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ ”اِصْرٌ“ کہتے ہیں ایسا بوجھ جس کو اٹھانا ممکن نہ ہو، پچھلی اُمتوں پر مشقتوں اور سختیوں کا معاملہ زیادہ رہا۔ مثلاً مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہیں تھا۔ قربانی پیش کرتے تو آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا جاتی، وہ قربانی کا گوشت بھی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ مخصوص عبادت گاہ میں نماز ادا کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اُمت پر بہت بڑا فضل فرمایا اور بہت سی آسانیاں عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مشکل کی بجائے آسانی چاہتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم سے ایسا بوجھ نہ اٹھوا جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔“ وہی بات کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا۔ اب اللہ تعالیٰ دعا بھی اسی انداز سے ہمیں سکھا رہا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال یعنی ایسے تقاضے نہ آئیں، ایسی ذمہ داریوں کا معاملہ نہ آئے، ایسے مطالبات تیری طرف سے نہ آئیں کہ اے اللہ جن کو ادا کرنا، جن ذمہ داریوں کو پورا کرنا

ہمارے لیے ممکن نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کیسے کیا جائے خود اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا۔ اب ایک بڑی پیاری بشارت ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی ذکر آتا ہے بندہ جب یہ دعائیں کرتا اور مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر ہر دُعا کا جواب دیتا ہے جیسے مسلم شریف کی روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ کی ایک ایک آیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آرہا ہوتا ہے اسی طرح بخاری شریف کی روایت میں اور دیگر احادیث مبارکہ میں ذکر آتا ہے کہ جب بندہ یہ دعائیں مانگتا ہے اللہ فرماتا ہے، بلیٰ، ہاں! ہاں! اللہ فرماتا ہے! (قَدْ فَعَلْتُ) کہ میں کر چکا، کتنا پیارا ہے ہمارا رب۔ دعا بھی سکھاتا ہے اور قبولیت کی بشارت بھی دیتا ہے، دعا اللہ نے سکھائی اور بشارت صاحب قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادی۔

(وَاعْفُ عَنَّا) اور ہمیں معاف فرمادے۔ معافی کا مطلب کیا ہے؟ درگزر کا معاملہ کرنا، اے اللہ ہم سے مؤاخذہ نہ کر! اے اللہ جانے دے، ایک اور دعا جو حدیث مبارک میں آتی ہے کہ (اللَّهُمَّ حَاسِبِي حِسَابًا يَسِيرًا) اے اللہ میرے حساب کو آسان فرمادے۔ تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوال پر آسان حساب کی وضاحت فرمادی۔ اللہ نہ تو پوچھے اور نہ ہی حساب کھولے، جس کا حساب کھلا اور اللہ نے پوچھا وہ تو مارا گیا، تو بس اے اللہ جانے دے۔ (وَاعْفُ عَنَّا) اے اللہ معاف فرمادے، اے اللہ درگزر کا معاملہ فرمادے۔

”وَاعْفِرْ لَنَا“ اور ہمیں بخش دے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں استغفار کی کثرت کی تلقین فرمائی ہے۔ مغفرت کیا ہے؟ اللہ ڈھانپ دے، پردے میں رکھ کر، پوشیدہ رکھ کر معاف فرمادے، نہ ظاہر کرے نہ مؤاخذے کا معاملہ ہو ”وَاعْفِرْ لَنَا“۔ اور ہمیں بخش دے۔ ”وَارْحَمْنَا“ اور ہم پر رحم فرما۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سب سے بڑھ کر محتاج ہیں۔ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ اس کی بڑی عظیم صفات ہیں اور وہ (ارحَمُ الرَّحِمِينَ) یہ دعائیں ہمیں سکھا رہا ہے۔ (أَنْتَ مَوْلَانَا) اے اللہ تو ہمارا مولیٰ ہے،

کارساز ہے، پشت پناہ ہے۔

﴿فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ پس کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ صحابہ کرامؓ نے یہ دعائیں اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے سیکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگی ہیں۔ لہذا اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی۔ ہم یہ دعائیں مانگنے والے بھی تو ہوں، ہم لوگ آج مانگ رہے ہیں لیکن اس کے مستحق بھی تو بنیں! اللہ کی نافرمانیاں ہوں، اللہ کے احکامات کو توڑا جائے، اللہ کی شریعت کو پامال کیا جا رہا ہو، اللہ کو ناراض کیا جائے، تو پھر ہم یہ دعائیں کس طرح مانگ رہے ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملات کو بھی سیدھا رکھا جائے اور اللہ سے معافی اور مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ مدد بھی فرمائے گا اور کفار کے مقابلے پر غلبہ بھی عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائے، اللہ ہم سب کو معاف فرمائے، ہماری مغفرت فرمائے، ہم پر رحمتیں نازل فرمائے اور کفار کی قوم کے مقابلے میں اُمتِ محمدیہ ﷺ کی مدد اور نصرت فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

